خطبۂ صدارت

از

سحبان الہند حضرت العلامہ مولانا الحاج الحافظ احمد سعید صاحب

نائب صدر جمعیۃ علماء ہند

بہ اجلاس جمعیۃ علمائے صوبہ آگرہ منعقدہ بجنور

۱۹، ۲۰، ۲۱ اپریل ۱۹۴۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

میری صدارت!

معزز علماء کرام! آپ کے صوبہ کی جانب سے پورے دس سال کے بعد مکرر مجکو یہ اعزاز بخشا گیا ہے۔ دس سال قبل اس شرف کو قبول کرتے وقت جو کچھ میں نے عرض کیا تھا انہی الفاظ کے اعادے کی پھر اجازت دیجئے۔ ایک ایسے صوبہ میں جہاں علماء کی تعداد تمام صوبوں سے زائد ہے۔ اور جہاں اہل علم کے چند اہم مراکز ہیں اور جو صوبہ علوم مشرقی و مغربی کے ساتھ ساتھ سیاسیات میں بھی خاص اور نمایاں نفوذ رکھتا ہے وہاں مجھ جیسے قلیل البضاعت انسان کو جو علم و عقل کی روشنیوں سے تقریبًا تہیدست ہے۔ اتنی بڑی ذمہ داری سپرد کرنے کی ہمت کس طرح ہوتی ہے۔ اگر میں یہ عرض کروں تو بے جا نہ ہوگا کہ جو غلطی انتخاب صدارت میں آپ نے دس سال پہلے کی تھی اُسی غلطی کا آپ نے پھر اعادہ کیا ہے۔ بلکہ یہ غلطی پہلی غلطی سے بھی زیادہ اہم ہے۔ وہ وقت اتنا نازک نہ تھا جتنا یہ وقت نازک ہے۔ پھر میری عمر بھی اُس وقت دس سال کم تھی اور اب دس سال زیادہ ہے۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ عمر کے ساتھ انسان کا تجربہ بڑھتا ہے لیکن عقل ضعیف ہوتی جاتی ہے۔ اس لئے ضرورت اسکی تھی کہ کسی ایسے شخص کو صدر بنایا جاتا جو صحیح علم اور صحیح عقل کے ساتھ سیاسیات کا بھی پورا ماہر ہوتا۔ اور جس چیز کی آپ کو ضرورت ہے یعنی صحیح رہنمائی کی وہ اس کا واقعی اہل ہوتا۔

بہرحال! جب آپ نے دانستہ یا نادانستہ اپنے حسن ظن سے ایک نا اہل کو صدر منتخب کر لیا ہے اور ایک بہت بڑی ذمہ داری میرے ضعیف اور ناتواں کاندھوں پر ڈالدی ہے تو میں امید کرتا ہوں کہ آپ کی ہمدردیاں اور آپ کی اخلاقی امداد و اعانت مجھے حاصل ہوگی کیونکہ آپ کی امداد کے بغیر اتنی بڑی ذمہ داری سے میرا عہدہ برآ ہونا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ میں آپ کے اس حسن ظن کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اللہ رب العزت سے ملتجی ہوں کہ وہ مجھ سبیل الرشاد اور طریق مستوی پر گامزن ہونیکی توفیق عطا فرمائے اور آپ نے جو توقعات قائم کرلی ہیں وہ پوری ہوں۔

ناقابل تلافی صدمہ

حضرات! جس قدر اپنی زندگی طویل ہوتی جاتی ہے اُسی قدر عربی کے اس جملے کی تصدیق ہوتی جاتی ہے کہ من طال عمرہٗ قلت احبتہٗ۔ یعنی جس شخص کی عمر بڑی ہوتی ہے اُسکے دوستوں اور احباب کی تعداد کم ہو جاتی ہے۔

آہستہ آہستہ اپنے تمام رفقا اور شرکاء کار ایک ایک کرکے جدا ہوتے جاتے ہیں۔ یوں تو خدا جانے پچھلے دس سال میں کتنے ہمارے بزرگ ہم سے جدا ہوگئے۔ لیکن حال ہی میں جو صدمہ اور جو تکلیف ہماری جماعت کو حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجادؒ کی وفات سے پہنچی ہے اس کا ذکر کرنا میرے امکان اور میری طاقت سے خارج ہے۔ حضرت مولانا ابوالمحاسن جمعیۃ علماء ہند کے اُن سرپرستوں میں سے تھے جو جمعیۃ کی تاسیس سے لیکر تا دم مرگ جمعیۃ کی خدمت کرتے رہے۔ انکو جمعیۃ علما کے ساتھ ایک خاص شغف تھا۔ ۱۹۱۹ء میں مجھے مولانا مرحوم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ اس بیس سال میں صدہا مرتبہ مولانا کی معیت میسر آئی۔ سفر اور حضر میں صحبتیں رہیں۔ مولانا مرحوم کو ہر وقت شریعت اسلامیہ کے نفاذ اور قوانین شرعیہ کے اجرا کی فکر رہتی تھی۔ اس لیے صوبہ بہار میں اُنھوں نے امارت شرعیہ کے قیام کی سعی کی اور اپنی استطاعت کے موافق اس کا ایک خاکہ تیار کیا اور حضرت شاہ بدرالدین رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک پر بیعت کرکے امارت شرعیہ کی بنیاد ڈالی اُن کی خواہش تھی کہ تمام ہندوستان کے مسلمان ایک امیر کے ماتحت زندگی بسر کریں۔ اور غیر اسلامی حکومت کے ماتحت اپنی اسلامی زندگی ایک امیر کی زیر قیادت گذاریں۔ اسی توقع اور اُمید کو لے کر وہ جمعیۃ علماء میں شریک ہوئے اور تمام عمر اسی کوشش اور سعی میں لگے رہے۔

اُن کی زندگی نہایت سادہ تھی۔ وہ انتھک کام کرنیوالے تھے جب وہ کسی کام کو کرتے تھے تو چوبیس گھنٹے اُسی کام کے ہو جاتے تھے۔ احکام فقہیہ پر اُن کی نظر بہت وسیع تھی۔ علوم عقلیہ میں انکو ید طولیٰ حاصل تھا۔ ایک عرصہ تک اُنھوں نے مختلف مدارس میں تعلیم کے فرائض انجام دیئے تھے۔ رائے اسقدر صائب تھی کہ شاید ہی اُنکی رائے نے کبھی کوئی غلطی کی ہو۔ کانسٹی ٹیوشن کو خوب سمجھتے تھے۔ بلکہ اپنے معاصرین میں سب سے زیادہ اُن کا دماغ اس کے لیے موزوں تھا سیاسیات میں بصیرت تامہ کے مالک تھے۔ زہد اور تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ اُن کی نظیر متقدمین ہی میں ملسکتی ہے۔ صبر کی یہ حالت کہ جوان لڑکے اور لڑکیوں کی موت پر اُف نہیں کرتے تھے اور جوان بچوں کی موت اور بیوی کی علالت ان کو قومی خدمات سے مانع نہیں ہوتی تھی غربت اور افلاس کے باعث فاقوں کی نوبت بھی گذر جاتی تھی لیکن وہ سادی چار کی پیالیاں پی کر کام کئے جاتے تھے۔ جمعیۃ علماء کے دفتر میں جب قیام کرتے تھے تو دونوں وقت کے کھانے پر پانچ پیسے خرچ ہوتے تھے۔ وہ اپنے مخالفوں کو کبھی بُرا نہیں کہتے تھے۔ اور نہ کسی کو بُرا کہنے دیتے تھے۔ جب کوئی اُن سے کہتا تھا کہ فلاں اخبار میں آپ کے متعلق یہ لکھا گیا ہے یا فلاں شخص نے آپ کو یہ کہا ہے تو بس اتنا فرماتے تھے۔ جی ہاں۔ تقریر بہت کم کرتے تھے زبان میں تھوڑی سی لکنت تھی جو تقریر کرتے وقت ابتدا میں محسوس ہوتی تھی لیکن تھوڑی دیر بعد زبان صاف ہو جاتی تھی اور گھنٹوں تقریر کرتے تھے۔

مولانا ابوالمحاسن کے محاسن اور اُن کی خوبیاں اور اُن کی خدمات ملی و ملکی اسقدر کثیر ہیں کہ اُن کے بیان کرنے سے نہ صرف یہ کہ اپنی زبان قاصر ہے بلکہ وقت بھی ناکافی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ جمعیۃ علماء وہی تھے۔ وہ تنہا ہم سب کی جگہ کو پُر کرسکتے تھے۔ اور ہم سب ملکر بھی اُن کی کمی کو پورا نہیں کرسکتے۔ حضرت مولانا سید انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی

وفات کے بعد یہ دوسرا ناقابل تلافی صدمہ ہے جو اپنی جماعت کو پیش آیا ہے۔

حضرات! آپ کے صوبہ کی محترم ہستی چیف جسٹس شاہ سلیمان کی وفات بھی ہمارے لیے سخت قلق اور اندوہ کا باعث ہے۔ چیف جسٹس مرحوم ایک نہایت ہی قابل اور علمی ذوق رکھنے والے حضرات میں سے تھے میرٹھ کے مشہور مقدمہ کا فیصلہ اور پشاور کے افسوسناک سانحہ کی رپورٹ یہ دونوں چیزیں انکی ایسی یادگاریں ہیں جو قومی حضرات سے بھی خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ مسلم یونیورسٹی میں مرحوم کی خدمات ناقابل فراموش حیثیت رکھتی ہیں۔ اور یہ شرف اُنہی کی ذات کو حاصل تھا کہ ہر طبقے اور ہر خیال کے لوگ ان پر اعتماد رکھتے تھے وہ انصاف اور عدل کے مقابلے میں کسی طاقت کی پروا نہ کرتے تھے وہ جس طرح اپنے بے لاگ انصاف کے باعث ہندو مسلمانوں میں مقبول تھے اُسی طرح گورنمنٹ بھی انکی قدر کرتی تھی اور یہی وجہ تھی کہ وہ آخر میں فیڈرل کورٹ کے جج ہو گئے تھے۔ وہ اتنی بلندی پر پہنچکر بھی نہایت خلیق اور ملنسار تھے۔ اہل علم کی خاص طور پر عزت کرتے تھے۔ کتابیں جمع کرنیکا بہت شوق تھا بالخصوص قلمی کتابوں اور قلمی قرآن شریف کے تو مرحوم عاشق تھے۔

آپ کے صوبہ کے ایک اور بزرگ اور جمعیۃ علماء کے ہمدرد مولانا ابو بکر جونپوری تھے جن کا پچھلے دنوں انتقال ہو گیا مسلم یونیورسٹی کے مشاغل کے باعث کچھ دنوں سے یہ جمعیۃ مرکزیہ کے رکن نہیں رہے تھے۔ یہ بھی اُن لوگوں میں سے تھے جو جمعیۃ کی یوم تاسیس سے لیکر تادم وفات جمعیۃ علماء کے ہمدرد اور وفادار رہے۔ مولانا ابو بکرؒ اگرچہ ایک عرصہ سے پلیٹ فارم پر نہیں آتے تھے۔ لیکن پالیسی کے اعتبار سے جمعیۃ علماء کے ہمخیال تھے تقریباً پندرہ سال تک جمعیۃ علماء ہند کی مرکزی جماعت کے رکن رہے۔ نہایت خلیق متقی اور وسیع النظر عالم تھے۔ اللہ تعالیٰ ان مرنے والوں کی مغفرت فرمائے۔ اور ان کو سایۂ رحمت اور ظل عاطفت میں جگہ دے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق مرحمت ہو۔ اور خدائے تعالےٰ ہم حرماں نصیبوں کو ان مرحومین کا نعم البدل عطا فرمائے۔

شاید میں اپنے فریضہ میں کوتاہی کرونگا اگر اس موقعہ پر صوبہ کے ایک اور قومی بزرگ کا ذکر نہ کروں۔ یہ بزرگ اپنی آپ ہی مثال تھے۔ پنڈت پیارے لال شرما کو آپ میں سے کون نہیں جانتا انکی قومی اور وطنی خدمات سے صوبہ یوپی کا ہر ایک ہندو مسلمان واقف ہے۔ پنڈت جی ایک بہترین اور قابل وکیل ہونیکے ساتھ ساتھ بہت بڑے قومی کارکن اور بڑی سوجھ بوجھ کے مالک تھے۔ کانگریس حکومتوں کے دور میں کچھ دنوں کے لیے وہ وزیر تعلیم کے عہدہ پر مامور ہوئے تھے۔ لیکن انکی طبیعت اسقدر سادہ واقع ہوئی تھی کہ وہ وزارت کا تحمل نہیں کر سکی کانگریس کی وفاداری کا یہ عالم تھا کہ وہ اس بڑھاپے میں ستیا گرہ کرکے جیل گئے اور آنتوں کے خطرناک مرض میں مبتلا ہونے کے باعث گورنمنٹ نے جیل سے اُن کو رہا کر دیا وہ علاج کے لئے دہلی تشریف لے گئے اور ڈاکٹر جوشی کے زیر علاج رہے۔ ڈاکٹر جوشی نے اُنکا آپریشن کیا اور دہلی ہی میں انھوں نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی۔ پنڈت پیارے لال ہندو مسلمانوں سے محبت کرتے تھے وہ اسقدر غیر متعصب تھے۔

کہ اُنکی بے تعصبی ضرب المثل ہوگئی تھی پچھلے دنوں جب مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کے مقدمہ کی پیروی کے لئے وہ دہلی گئے تو میں نے
اُن سے عرض کیا تھا اگر پنڈت جی آپ جیسے لوگ کانگریس پر قابض ہوجائیں تو شاید مسلمانوں کو کانگریس سے کوئی شکایت باقی
نہ رہے۔ پنڈت جی کی وفات سے صوبہ کی کانگریس کو بہت نقصان پہنچا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ خدائے تعالیٰ ہم کو انکا نعم البدل
عطا فرمائے اور اُنکے متعلقین کو اُنکی وفات سے جو دکھ ہوا ہے اُسکے بدلے میں اُن کو صبر کی توفیق نصیب ہو۔

ملک کی نازک حالت

میرے معزز دوستو! یورپ کی جنگ کو دو سال ہو رہے ہیں یہ جنگ کیوں شروع ہوئی کس نے شروع کی اور اس جنگ کا
ذمہ دار کون ہے اس جنگ کا الزام برطانیہ پر عائد ہوتا ہے یا جرمنی پر۔ میرے خیال میں ہمیں اس بحث میں الجھنا نہیں چاہئے ہمیں صرف
ایک ہی بات دیکھنی ہے اور وہ یہ کہ ہمارے ملک پر اس جنگ کا کیا اثر پڑا۔ ہمارا ملک جو پہلے ہی غریبوں اور مزدوروں کا ملک ہے
اور جسکو گورنمنٹ برطانیہ کی مہربانیوں نے دو سو سال کے عرصہ میں نچوڑ کر دولت سے خالی کر دیا ہے اور جسکے باشندوں کو ان کے زمانہ میں
بھی پیٹ بھر کر روٹی اور تن ڈھانکنے کو کپڑا میسر نہیں آتا۔ اُسپر اتنی بڑی جنگ کا بار پڑ جانے سے باشندگان ملک کو مرگل گیا ہے ٹیکسوں
اور چندوں کی بھرمار نے بڑے بڑے سرمایہ داروں کی کمر دوہری کر دی ہے جنگ کی یہ حالت ہے کہ دن بدن طویل ہوتی جاتی ہے پچھلے دنوں
طرابلس میں جو گورنمنٹ برطانیہ کو فتوحات حاصل ہوئی تھیں اس سے توقع تھی کہ جنگ بہت جلد ختم ہو جائیگی لیکن یوگوسلاویہ
اور یونان کی ہزیمت۔ بن غازی اور درنا کی شکست نے پھر معاملہ کو الجھا دیا۔ اگر جنگ اسی طرح دراز ہوتی رہی تو نہیں کہا جاسکتا
کہ اس ملک کی کیا حالت ہوجائیگی۔ اگر جنگ کا خطرہ جیسا کہ کہا جا رہا ہے مصر تک دوبارا آ گیا تو ہندوستان کا خطرہ یقینی
ہے۔ ایک طرف جاپان کی دھمکیوں کا سلسلہ برابر جاری ہے جسکی وجہ سے سنگاپور اور برما کی حفاظت ضروری ہے دوسری
طرف روس ہے جسکی نیت کا حال معلوم نہیں کہ اُنکی پالیسی کیا رہتی ہے۔ یہ تمام حالات ایسے ہیں جو تشویشناک ہیں۔ اور یہ کہنا
کسی طرح بے جا نہ ہوگا کہ جنگ ہندوستان کے دروازے کے قریب کھڑی ہے۔ اسقدر نازک حالات کے باوجود گورنمنٹ برطانیہ
کا جو رویہ ہندوستانیوں کے ساتھ ہے وہ آپکی آنکھوں کے سامنے ہے۔ ملک کو جنگ میں شریک کیا جا رہا ہے اور اہل ملک کو
یہ نہیں معلوم کہ یہ جنگ کس کے لئے لڑی جا رہی ہے اور کامیابی کے بعد اس ملک کو کیا ملنے والا ہے۔ ایک طرف غربت و افلاس
کے ساتھ چندوں کی زیادتی دوسری طرف یہ تاریکی اور بے بسی۔ ان حالات میں اگر خدانخواستہ یہ منحوس جنگ ہندوستان کے
دروازے میں داخل ہوگئی تو اس ملک کے باشندوں کی کیا حالت ہوگی۔

جنگ کو جیتنے کی ضرورت

حضرات! جہانتک جنگ جیتنے کا سوال ہے۔ اس میں دو رائیں نہیں ہیں۔ ہم میں سے ہر شخص کی رائے اور خواہش یہی ہے کہ
جس طرح ممکن ہو جنگ کو جیتا جائے اور اس جنگ میں فتح حاصل کیجائے لیکن سوال یہ ہے کہ یہ فتح کس کی ہوگی۔ اسکا جواب
دیا جاتا ہے کہ فتح ہندوستان کی ہوگی۔ اگر واقعی یہ جواب صحیح ہے تو ہمکو یہ دریافت کرنیکا حق دیا جائے کہ جب ہندوستان

کے اختیارات ہندوستانیوں کے ہاتھ ہی میں نہیں ہیں تو یہ فتح ہماری کیونکر ہو سکتی ہے۔ میرے دوستو! اس زبردستی اور قوت کے غلط استعمال کا بھی کوئی ٹھکانا ہے کہ سب کچھ ہو رہا ہے ہمارے نام سے اور ہوگا ہمارے نام پر لیکن ہمیں کسی چیز میں دخل نہ ہوگا اور نہ ہمیں کوئی اختیار ہوگا۔ اس مجبوری اور بےبسی پر اگر ہم یہ کہیں کہ جناب جب ہمیں کوئی اختیار نہیں ہے تو پھر ہم کو اس جنگ سے کوئی واسطہ اور تعلق کیوں ہو؟ تو اس کہنے پر ہم کو جیل بھیجد یا جائیگا اور فیصلے میں لکھا جائیگا۔ چونکہ ملک معظم کی حکومت کو جو جنگ جاری رکھنی ہے اُسپر یہ الفاظ اثر انداز ہوتے ہیں اسلیئے ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کی دفعہ ۳۸ کے ماتحت سزا دیجاتی ہے۔ یہ اس کھیل کا مختصر خلاصہ ہے جو آجکل ہندوستانیوں کے ساتھ کھیلا جا رہا ہے۔

حکومت کا مستحق کون ہے؟

سب سے عجیب و غریب بحث جو اسوقت ملک میں جاری ہے وہ یہ ہے کہ اس ملک کی سلطنت کا مستحق کون ہے۔ اگر گورنمنٹ برطانیہ حقوق دینے کا ارادہ بھی کرے تو وہ حقوق کس کو دیئے جائیں۔ ہندوستان کی سب سے بڑی نمایندہ جماعت انڈین نیشنل کانگریس ہے اور جمہوری اصول کی بنا پر وہی جماعت مستحق ہو سکتی تھی جسکو ملک کی زیادہ سے زیادہ نمایندگی حاصل ہو۔ ملک میں جب بھی کوئی ریفارم جاری ہوگی تو اُسی جماعت کے ہاتھوں جاری ہوگی جسکو اکثریت کی نمایندگی میسر ہو۔ ایک سیدھی سادھی بات کو گورنمنٹ نے الفاظ کے ہیر پھیر میں ڈالدیا ہے۔ مسٹر ایمرے نے اسوقت تین جماعتوں کو ڈھال بنا رکھا ہے مسلمان اچھوت۔ والیان ریاست۔ انگریزوں نے اس ملک میں ایک عرصہ سے یہ طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ جب کچھ دینے کا ذکر آتا ہے تو ایک نہ ایک پارٹی کو اپنا آلہ کار بنا کر اس کی آڑ بنالی جاتی ہے۔ مجھے یہ دیکھکر نہایت تکلیف ہوتی ہے۔ کہ سب سے زیادہ مسلمانوں کو اس مذموم کام کے لیے استعمال کیا گیا۔ اب سے سو برس پہلے مسلمانوں کو اس ملک میں جو سیاسی اقتدار حاصل تھا وہ آپ حضرات سے مخفی نہیں ہے۔ صوبہ متحدہ جہاں آپکی جمعیۃ کا اجلاس ہو رہا ہے۔ اس صوبہ میں مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں اور بیشمار تعلقہ داریاں تھیں اودھ کی بہت بڑی سلطنت اسی صوبہ میں تھی۔ لیکن انگریزوں نے جس بیدردی کے ساتھ ہندوؤں کی امداد سے مسلمانوں کو تباہ کیا اُسکا ذکر کرنے سے نہ کرنا بہتر ہے۔ جو صوبہ اسلامی اقتدار کا سب سے بڑا ضامن تھا وہاں کے مسلمانوں کی تعلیمی اور مالی حالت سب سے زیادہ زبوں اور قابل افسوس ہے۔ وہ قومیں جن پر مسلمان کبھی حکومت کرتے تھے۔ انگریزوں نے اپنی سنگینوں کے زور سے مسلمانوں پر اُنکو حکمراں بنایا مسلمانوں کی زمینداریاں سود در سود کے قرضوں میں اُلجھا کر نیلام کرائی گئیں اور مسلمانوں کو افلاس کی موت سے ماردیا گیا۔ یہ تمام حالات تفصیل طلب ہیں لیکن یہ وقت ان کے دُہرانیکا نہیں ہے یہ باتیں بار بار دہرائی گئی ہیں اور مسلمانوں کا معمولی پڑھا لکھا طبقہ کمپنی کے وقت سے لیکر اسوقت تک کے واقعات سے کم و بیش واقفیت رکھتا ہے۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں جو کچھ ہوا اُس کا اثر بھی سب سے زیادہ صوبہ متحدہ کے مسلمانوں پر پڑا اودھ کی حکومت کی تباہی کا اثر بھی بدقسمت مسلمانوں ہی پر پڑا لیکن انگریزوں کی ان تمام بیوفائیوں اور بدعہدیوں اور ستم ظریفیوں کے باوجود مسلمان ہی انگریزوں کی خود غرضی کا سب سے زیادہ آلہ کار بنتے رہے۔ انگریزوں کو جب مسلمانوں کی ضرورت

ہوئی اُسی وقت مسلمانوں کا ایک وفد بلا کر گورنر نے تقریر کردی اور مسلمانوں کی پولیٹکل اہمیت کا ذکر کر کے مسلمانوں کو استعمال کرلیا اور ہندوؤں کو نیچا دکھانے کے بعد مسلمانوں کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیا کبھی سرسید کی معرفت مسلمانوں کو استعمال کیا گیا اور کبھی نواب محسن الملک کی معرفت کبھی سر یعقوب اور ڈاکٹر شفاعت احمد خاں کے واسطے سے مسلمانوں کو بیوقوف بنایا گیا اور کبھی مسٹر جناح کے واسطے سے مسلمانوں کو احمق بنایا گیا۔ غرض ہر دفعہ کوئی نہ کوئی مہرہ انگریزوں کو مل گیا اور انگریزوں نے مسلمانوں کو استعمال کرلیا ہم یہ نہیں کہتا کہ یہ لوگ بدنیتی سے گورنمنٹ کے آلۂ کار بنے یہ ضرور ہے کہ اسباب و حالات نے ان لوگوں کی مساعدت کی اور اس قسم کے واقعات رونما ہوئے کہ جسکے باعث گورنمنٹ نے ان لوگوں سے ناجائز فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں کو بیوقوف بنا کر اپنا اُلّو سیدھا کیا۔ اب کچھ دنوں سے اچھوت کو بھی استعمال کیا جارہا ہے۔ اور اچھوتوں کے لئے ڈاکٹر امبید کار کی شخصیت کو ذریعہ اور واسطہ بنایا گیا ہے۔ اور یہ طریقہ احتیاطاً صرف اس غرض سے اختیار کیا گیا ہے کہ اگر مسلمان خدانخواستہ کسی وقت اپنی حیثیت کو سمجھ گئے۔ اور ملک کی خوش قسمتی سے مسلمانوں کو سمجھ آگئی تو اچھوت کو استعمال کیا جائیگا۔ اچھوت سے دو فائدے ہونگے۔ اچھوتوں کو ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے خلاف استعمال کیا جاسکے گا۔

صحیح اور سیدھی راہ

حضرات! انگریزوں کی اس عیاری اور دسیسہ کاری کا صحیح علاج یہ تھا کہ اس ملک کے ہندو مسلمانوں میں باہمی اشتراک عمل کی قوت پیدا ہوجاتی دونوں قوموں کے تعلقات خوشگوار ہوتے۔ اور باہمی تعاون اور اتحاد عمل سے دونوں قومیں ملک کی خدمت کرتیں ایک دوسری کا اعتماد حاصل ہوتا۔ اور یہ اعتماد اتنا پختہ اور مضبوط ہوتا کہ گورنمنٹ ایک قوم کو دوسری قوم کے خلاف استعمال نہ کرسکتی۔

کانگریس کا مشترکہ پلیٹ فارم

اگرچہ ہندوستانیوں نے ۱۸۸۵ء میں ایک مشترکہ پلیٹ فارم کی بنیاد ڈالی تھی اور یہ کہنا کسی طرح غلط نہ ہوگا کہ وہ پلیٹ فارم بڑی حد تک پھلا پھولا اور بارآور ہوا اور اُس مشترکہ پلیٹ فارم یعنی انڈین نیشنل کانگریس نے پوری طاقت اور قوت حاصل کی اور کانگریس کی قربانیوں نے ملک کے عافیت پسند طبقے کے دانت کھٹے کردیئے لیکن کانگریس کی اس ترقی اور قوت کو انگریزوں نے چند ہی دن کے بعد خطرے کی نگاہ سے دیکھنا شروع کردیا۔ ایک طرف حکومت متسلطہ کی یہ خواہش کہ کانگریس کے بے پناہ اثر کو زائل کیا جائے اور دوسری طرف اس ملک کی اکثریت کے طرز عمل نے بڑی حد تک کانگریس کو بدنام کردیا اسمیں شک نہیں کہ کانگریس نے جس ڈسپلن کا ثبوت دیا ہے اور الیکشن میں عام مقبولیت کا جو مظاہرہ اُسکی جانب سے ہوا ہے وہ ملک کی کسی ایک جماعت کو بھی اب تک نصیب نہیں ہوا اور یہی وجہ ہے کہ اُسکی ہمہ گیر نمائندگی کا اعتراف کرنے پر مسٹر ایمرے بھی مجبور ہیں یہ اُسکے ڈسپلن کی بہترین مثال ہے کہ اُس نے وزارتوں کے ترک کرنیکا اِدھر فیصلہ کیا ادھر تعمیل ہوگئی۔ پھر اُس نے فیصلہ کیا کہ وزراء جیل خانے جائیں اور اس فیصلے کی فوری تعمیل ہوگئی چنانچہ آج آپ دیکھتے ہیں کہ کل گذشتہ کے وزیر آج کے قیدی بنے ہوئے جیل خانوں میں پڑے ہیں۔ ڈسپلن کا یہ نمونہ آج ہندوستان کی کسی جماعت کو نصیب نہیں ہے۔ ان تمام خوبیوں کے باوجود جس بات کا افسوس ہے وہ یہ کہ کانگریس

کے نیتاؤں اور ذمہ دار لوگوں کے دل کافر کی قبر کی طرح بہت ہی تنگ واقع ہوئے ہیں اگر کانگریس میں مہاسبھائی ذہنیت کے لوگ نہ ہوتے تو آج کانگریس کی یہ حالت نہ ہوتی۔

کانگریسی حکومتیں

حضرات! کانگریس کی بے پناہ طاقت اور انتخابی قوت نے کانگریس کو آٹھ صوبوں میں حکومت کا موقعہ دیا۔ کانگریسی حکومتوں کے لئے یہ بہترین موقعہ تھا کہ وہ انڈین نیشنل کانگریس کی محبت کو لوگوں کے قلوب میں بڑھاتیں اور اقلیتوں کا زیادہ سے زیادہ اعتماد حاصل کرتیں۔ محبت تو وہی ہے جو طاقت اور اقتدار کے بعد پیدا ہو۔ ؎

تواضع ز گردن فرازاں نکو است　　　گدا گر تواضع کند خوئے اوست

غلام، غلام کے ساتھ ہمدردی کرے تو یہ زیادہ موثر نہیں ہے بادشاہ بنکر فقیروں کا دل ہاتھ میں لے تو یہ بات قابل تعریف ہے۔ کانگریسی حکومتوں کو قدرت کے اس زریں موقعہ سے فائدہ حاصل کرنیکی ضرورت تھی لیکن ہوا کیا وہی ہوا جو سیر کی ہنڈیا میں سوا سیر کے پڑ جانے سے ہوا کرتا ہے۔ کم ظرفی اور تعصب کا وہ مظاہرہ کیا گیا کہ دشمن تو دشمن دوست پریشان ہوگئے۔ حکومت ملنے کے بعد بھی ترازو ہاتھ سے نہ گئی۔ جو چیز دیگئی تول تول کر اور ناپ ناپ کر دیگئی۔ خیر اسکا بھی مضائقہ نہ تھا تول کر ہی دیا جاتا لیکن پورا تو تولا جاتا وزیر بنگئے لیکن ڈنڈی مارنیکی عادت نہ گئی۔ ہندو مسلمانوں کو دو مختلف آنکھوں سے دیکھا گیا۔ ہندی اُردو کے جھگڑے پیدا کئے گئے۔ غرض چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایسا چھوٹا پن دکھلایا گیا کہ مسلمانوں کے قلوب میں شکوک و شبہات پیدا ہوگئے۔ بڑے لوگوں کا طرزِ عمل اتنا بُرا نہ تھا جتنا عوام ہندوؤں نے بُرا طریقہ اختیار کیا۔ ہر عامی اور معمولی شخص کے لب و لہجہ میں فرق ہوگیا۔ اکثریت کا ہر فرد یہ سمجھنے لگا کہ میری حکومت ہوگئی۔ اور حکومت بھی مشترک نہیں بلکہ ہندوؤں کی حکومت مسلمانوں پر قائم ہوگئی۔ آپ خیال کیجئے ایک طرف حکومت کو یہ فکر کہ کانگریسی حکومتوں کو نیچا دکھایا جائے دوسری طرف وزارت کے وہ حرماں نصیب جنکی اُمیدیں خاک میں مل چکی تھیں۔ تیسری طرف وہ جاہل عوام جو کانگریس کے اس اقتدار کو پسندیدہ نگاہ سے نہ دیکھتے تھے۔ اتنی مخالف قوتوں کی موجودگی میں کس قدر پھونک پھونک کر قدم رکھنے اور حکومت کرنیکی ضرورت تھی لیکن افسوس کانگریسی حکومتوں نے ان تمام نزاکتوں کو نظر انداز کر دیا اور اُسکا نتیجہ وہی ہوا جو ایک ناتجربہ کار آدمی کو کام سپرد کرنیکا ہوا کرتا ہے لوگوں کو خوب موقعہ ملا دشمنوں نے خوب دل کھولکر اپنی بھڑاس نکالی۔ کلکتہ سے بیٹھکر مسٹر فضل حق نے ایک جھوٹی سچی فہرست مظالم کی شائع کر دی۔ اور بعض حلقوں میں بہت دھوم دھام سے یوم نجات منایا گیا۔ کانگریسی حکومتوں کے خلاف وہ بھیانک طریقہ پروپیگنڈے کا اختیار کیا گیا کہ کانگریسی حکومتوں کی تمام خوبیاں اُس پروپگنڈے میں دب کر رہ گئیں۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ کانگریسی گورنمنٹ میں ہر قسم کی برائیاں تھیں۔ کانگریسی گورنمنٹ نے اصلاح عامہ کے بہت سے کام کئے تھے۔ تحریر و تقریر کی بڑی حد تک آزادی دی تھی اور یوپی گورنمنٹ نے تو اس معاملہ میں انتہائی صبر و تحمل سے کام لیا تھا لیکن مخالفین نے تمام خوبیوں کو فراموش کر دیا اور عیوب کو پوری قوت سے ظاہر کیا۔ اور کانگریسی حکومتوں کو اتنا بدنام کیا جس کی وہ مستحق نہ تھیں۔

باہمی سمجھوتے کی ضرورت

بہرحال قصور کسی کا ہو اور حالات کچھ بھی ہوں لیکن اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہندو مسلمانوں کو ان چند سالوں میں اتنا دور کر دیا گیا اور دونوں قوموں میں اتنی منافرت پیدا کر دی گئی کہ کسی ایک مطالبے پر دونوں قوموں کا جمع کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ گورنمنٹ برطانیہ کی یہی خواہش تھی اور وہ خواہش پوری کر دیگئی یہی وجہ ہے کہ ۸ اگست کے اعلان سے گورنمنٹ آگے بڑھنے پر تیار نہیں۔

میرے معزز دوستو! کیا اس سے بڑھ کر کبھی اس ملک پر نازک وقت آیا ہے؟ ایک جانب جنگ کے شعلے ہم سے قریب ہو رہے ہیں اور نہیں کہا جا سکتا کہ جنگ کب ہندوستان میں داخل ہو جائے۔ دوسری جانب گورنمنٹ کی یہ سرد مہری کہ وہ ہندوستان کی جانب صلح و آشتی کا ایک قدم بڑھانے کو تیار نہیں۔ ایک ایسی جنگ جس میں تمام ملک کو جان و مال سے شریک ہونیکی ضرورت تھی اس جنگ سے ملک کی سب سے بڑی نمائندہ جماعت علیحدہ ہے بلکہ اس جماعت کے ارکان جنگ کے خلاف نعرے لگا کر جیل جا رہے ہیں۔ باہر کی یہ حالت کہ جرمنی اور اٹلی کی فوجیں حدود مصر میں داخل ہو رہی ہیں اور اندرون ملک کی یہ حالت کہ انڈین نیشنل کانگریس ستیا گرہ کر رہی ہے۔ اور مسلم لیگ کے قائد اعظم گورنمنٹ برطانیہ سے اپیل کر رہے ہیں کہ وہ انکے خلاف ڈیفنس آف انڈیا کا استعمال پوری قوت کے ساتھ کرے۔ ہندو مہا سبھا وائسرائے سے علیحدہ خط و کتابت میں مصروف ہے۔

ماسٹر تارا سنگھ اپنے خون کا آخری قطرہ پاکستان کے خلاف بہانے کو پھر رہے ہیں سر تیج بہادر سپرو اس فکر میں پھر رہے ہیں کہ اگر گورنمنٹ کی نظر میں حکومت کا کوئی مستحق نہیں ہے تو لبرل ہی کو بخشدیجائے۔ یہ تمام طوائف الملوکی اُن ملاقاتوں اور سرگوشیوں کا نتیجہ ہے جو وائسرائے بہادر شملے میں لوگوں کو بلا بلا کر پچھلے دنوں کرتے رہے جس میں امبیدکار جیسے پست اقوام کے روشن خیال لیڈر سے لیکر فارورڈ بلاک کے پریسیڈنٹ مسٹر سبھاش چندر بوس تک سے سرگوشیاں کی گئیں۔ اور کانگریس کی راہ میں کانٹے بچھائے گئے۔ اور اس امر کی کوشش کی گئی کہ کانگریس کو قومی حکومت کیلئے غیر مستحق قرار دیا جائے۔ یہ حالات اس ملک کے لئے نہایت نازک اور خطرناک ہیں اور اس امر کی ضرورت ہے کہ تمام پارٹیاں بہت جلد آپس میں کوئی سمجھوتہ کریں اور گورنمنٹ کے سامنے ایک متفقہ مطالبہ پیش کریں تاکہ ملک کو کم از کم اندرونی اطمینان حاصل ہو اور اہل ملک یہ سمجھ لیں کہ اس جنگ کی کامیابی اور ہندوستان کی آزادی ایک ہی چیز ہے۔ گورنمنٹ کو قومی حکومت قائم کرنے کے بعد ہی معلوم ہو جائیگا۔ کہ ہندوستان کس طرح جنگ لڑتا ہے۔ اور جنگ کو کس طرح فتح کرتا ہے۔

حکومت لبرل کو دیدیجائے

اگر بدقسمتی سے اس وقت گورنمنٹ کو کسی پارٹی پر اعتماد نہیں ہے اور اس کی نظر میں ہندوستان قابل اعتماد نہیں ہے۔ حالانکہ ہندوستان نے ہر ایک نازک سے نازک موقعہ پر گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ وفاداری کا اظہار کیا ہے اور آج گورنمنٹ برطانیہ کی تمام ساکھ ہندوستان ہی سے قائم ہے۔ لیکن افسوس گورنمنٹ کو اسی ملک پر اعتماد نہیں ہے تو کم از کم اُن وفاداران ازلی ہی پر نوازش کی جائے . . . .

وغیر متزلزل وفاداری کے مالک ہیں۔ آخر یہ کیا تماشہ ہے کہ گورنمنٹ کانگریس سے کوئی معاملہ بھی نہیں کرنا چاہتی اور کسی دوسری جماعت کو حکومت کی ذمہ داری سپرد کرنے کی ہمت بھی نہیں پڑتی۔ اگر گورنمنٹ کے نزدیک کانگریس ملک کی نمائندہ جماعت نہیں ہے اور کانگریس پر نو کروڑ مسلمانوں چھ کروڑ اچھوتوں اور چند والیان ریاست کو اعتماد نہیں ہے تو گورنمنٹ حکومت کی ذمہ داری انہی لوگوں کے سپرد کر دے جن کو کانگریس پر اعتماد نہیں ہے میں عرض کرتا ہوں کانگریس پر کس کو اعتماد ہے اور کس کو نہیں اس وقت یہ بحث نہیں ہے سوال یہ ہے کہ گورنمنٹ کو کس پر اعتماد ہے۔ آخر اس بدقسمت اور غلام ملک میں وہ بھی کوئی ہے جس پر گورنمنٹ کو اعتماد ہے۔ سر سپرو کی جماعت سے بہتر کون سی جماعت قابل اعتماد ہوگی؟ اسی کو حکومت دیدی جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ گورنمنٹ چاہتی ہے کہ کانگریس کو حکومت نہ دیجائے اور کانگریس سے کسی طرح صلح نہ کی جائے اور گورنمنٹ یہ بھی جانتی ہے کہ جب تک کانگریس کو ذمہ داری سپرد نہ کیجائے گی اس ملک میں کام نہیں چلے گا اور نہ ملک مطمئن ہوگا۔ اور نہ ملک میں کوئی دوسری جماعت ایسی منظم اور ذی اثر موجود ہے جو ملک کو مطمئن کر سکے وائسرائے اور مسٹر ایمرے اس کشمکش میں مبتلا ہیں۔ ہندو مہا سبھا کی قوت معلوم مسلم لیگ کی یہ حالت ہے کہ اس کا اثر سر سکندر اور فضل حق پر بھی نہیں ہے تو جمعیۃ علماء اور مجلس احرار پر کیا ہوگا۔ اگر ملک کسی جماعت سے بڑی حد تک مطمئن ہو سکتا ہے تو وہ صرف ایک ہی جماعت انڈین نیشنل کانگریس ہے۔ گورنمنٹ ان تمام باتوں کو اچھی طرح سمجھتی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر آج بھی گورنمنٹ صلح پر آمادہ ہو تو پونہ کی قرارداد پر نرم گرم سمجھوتہ ہو سکتا ہے۔ گورنمنٹ اپنی ضد پر اڑی ہوئی ہے اور سوچ سمجھ کر اپنی سرد مہری کے ہاتھوں ملک کو تباہی کے کنارے پہنچا رہی

درجہ نوآبادیات کا وعدہ

اس تمام ہلچل میں گورنمنٹ کا ایک خاص اعلان آپ کی دلچسپی کا ضرور موجب ہوگا اس اعلان کو موجودہ جنگ کی برکت کہنا کسی طرح ناموزوں نہ ہوگا۔ جس چیز کو آج تک گورنمنٹ برطانیہ نے صاف اور کھلے الفاظ میں کہنے سے گریز کیا تھا اس دفعہ اسکو کسی حد تک کھل کر کہا ہے یعنی جنگ کے بعد ہندوستان کو جلد از جلد ڈومنین اسٹیٹس کا درجہ دیا جائے گا۔ جہاں تک گورنمنٹ کے وعدے کا معاملہ ہے آپ جانتے ہیں کہ انگریزی قوم کی تمام تاریخ میں جو چیز نمایاں ابھری ہوئی نظر آتی ہے وہ اس قوم کی وعدہ خلافی اور عہد شکنی ہے میر جعفر اور میر صادق کی داستانیں تو کسی حد تک پرانی ہو چکی ہیں لیکن ۱۹۱۴ء کے اعلانات جو مقامات مقدسہ کے سلسلے میں کئے گئے [illegible] کل کی بات ہے ان اعلانات میں صاف طور پر کہا گیا تھا، ملک معظم کی گورنمنٹ ہز ایکسلنسی وائسرائے ہند کو اختیار دیتی ہے کہ وہ عرب کے مقدس مقامات اور عراق کی مقدس زیارت گاہوں اور جدہ کے ساحل کے متعلق ایک عام اعلان کردیں تاکہ ملک معظم کی بہت ہی وفادار ہندوستانی مسلم رعایا کو اس جنگ کے متعلق کسی قسم کی غلط فہمی نہ ہو" اسی سلسلے میں برطانیہ کے وزیر اعظم نے ۲۶ فروری ۱۹۲۰ء کو فرمایا تھا" یہ اعلان ضروری اور غیر مشروط تھا اور جان بوجھ کر شائع کیا گیا تھا اور آبادی کے ہر طبقہ کی

رضامندی سے تھا۔ حزب العمال نے بھی اسکی مخالفت نہیں کی تھی۔ اس صاف اور صریح اعلان کے بعد مقامات مقدسہ کا جو حشر ہوا وہ ظاہر ہے جدہ کی بندرگاہ پر گولہ باری کی گئی فلسطین جیسے مقدس مقام پر جو کچھ ہوا وہ کل کی بات ہے خود ہندوستان کے متعلق گورنمنٹ نے جو معاہدے کئے اور آج تک جو وعدے کئے گئے اُن میں ہر کوئی ایک وعدہ بھی شرمندۂ ایفا نہ ہوا۔ ہر وعدے کے الفاظ کی یا توجیہ اور تاویل کی گئی یا صراحتاً انکار کیا گیا مثال کے طور پر ملاحظہ ہو۔ ملکہ وکٹوریہ کے اعلان کی دفعہ ۳ کے یہ الفاظ پڑھئے " جو ملک بالفعل ہمارے قبضہ میں ہے ہم اس سے زیادہ پر قبضہ کرنا نہیں چاہتے اور جب ہم اس کو گوارا نہیں کرتے کہ کوئی شخص ہماری مملکت یا حقوق میں مداخلت کرے تو ہم بھی پیش قدمی کو اپنی طرف منسوب کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ اور والیان ہند کے حقوق و منزلت و عزت مثل اپنے حقوق و منزلت اور عزت کے عزیز سمجھیں گے " اس اعلان کی تیسری دفعہ یا نت داری کی سطح کو دیکھئے اور اس کے بعد صوبہ سرحد کی فارورڈ پالیسی اور والیان ریاست کے ساتھ جو سلوک کیا گیا اُس کو دیکھئے کس طرح شاہ عالم بادشاہ کے ساتھ ۱۸۰۳ء میں جو معاہدہ کیا گیا۔ اُس میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ دفاتر کی زبان فارسی رہیگی لیکن دفاتر کی زبان بجائے فارسی کے انگریزی کیگئی اور شاہ عالم سے جو معاہدہ کیا تھا اُسکو پس پشت ڈالدیا گیا آپ کے لارڈ میکالے نے ۱۸۳۲ء میں ایک تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا " ممکن ہے کہ بہتر حکومت کے ذریعہ ہم اپنی رعایا میں بہتر حکومت کی صلاحیت پیدا کردیں اور مغربی علوم سے آشنا ہونے کے بعد کسی آیندہ عہد میں وہ مغربی اداروں کا مطالبہ کرنے لگیں وہ دن کبھی آئے گا یا نہ آئے گا مجھے معلوم نہیں لیکن میں اُسکو روکنے یا ٹالنے کی ہرگز کوشش نہ کروں گا اور جب کبھی یہ وقت آئیگا تو برطانیہ کی زندگی میں وہ دن سب سے زیادہ فخر و مباہات کا دن ہوگا " برطانیہ کی زندگی میں یہ دن آیا اور بجائے فخر و مباہات کے مطالبہ کرنے والوں کو جیل خانوں میں ڈالدیا گیا۔ اور آج بھی اُن مطالبہ کرنے والوں سے جیل خانے بھرے ہوئے ہیں اور لارڈ میکالے کی تقریر یا اُس کے اعلان کو قوت اور سختی سے پامال کیا جارہا ہے۔ شاید ہی کوئی سال یا کوئی تقریب ایسی ہو جس میں اس حکومت کے ذمہ دار لوگوں کی جانب سے کوئی نہ کوئی اعلان ہندوستان کی بہبودگی۔ خوشحالی۔ آزادی اور درجہ نوآبادیات عطا کرنے کے متعلق نہ کیا گیا ہو اگر یہ . . . . تمام اعلانات اور عہود و مواثیق مرتب کریں تو ایک بہت بڑی کتاب لکھی جاسکتی ہے ایک طرف اس حکومت کے ذمہ دار افسر اور ذمہ دار اخبارات ہندوستان کی آزادی کا اعلان کرتے رہتے ہیں اور یہ اعلان ایسے زوردار الفاظ میں ہوتا ہے کہ بادی النظر میں یہ معلوم ہونے لگتا ہے کہ شاید ہندوستان صبح و شام میں آزاد ہونے والا ہے لیکن دوسری طرف اسی حکومت کے ذمہ دار حضرات اور ذمہ دار اخبارات ایسی باتیں بھی کہتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کو گورنمنٹ برطانیہ اپنی زندگی کے آخری لمحات تک غلام ہی رکھنا چاہتی ہے۔ گورنمنٹ نے ۱۹۱۴ء کی جنگ کے موقعہ پر جو اُمید افزا اعلانات کئے تھے اُن کو ایک جانب رکھئے اور جنگ ختم

ہونے کے بعد ۲۔ اگست ۱۹۲۲ء کو لارڈ جارج نے جو کچھ کہا اُس کو ملاحظہ کیجئے اگر پہلے سے یہ بات صاف نہیں ہے تو میں
اب صاف طور پر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہماری غرض اصلاحات دینے سے یہ نہیں ہے کہ انجام کار ہم اپنی امانت سے
بالکل دستبردار ہو جائیں جو بات خاص طور پر میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہندوستانی بحیثیت جماعت مقننہ کے
یا بحیثیت مدبران ملک کے خواہ کتنے ہی کامیاب کیوں نہ ہوں مگر میرے نزدیک کوئی زمانہ ایسا نہ ہوگا کہ اُن کا
کام انگریزی عہدہ داروں کی ایک تھوڑی تعداد کے بغیر چل سکے گا۔ دیکھا آپ نے اس امانت داری کو گویا ہندوستان
ان کے پاس امانت ہے اور قیامت تک کے لئے اس امانت کا ٹھیکہ ان کو دے دیا گیا ہے اس سے بڑھ کر سنڈے
ٹائمز کی وہ عبارت ہے جو ۲۵ مارچ ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئی ہے "ہمیں صاف طور پر اس بات کو واضح کر دینا چاہئے
کہ انگریز ہندوستانیوں صحت کی بحالی کی غرض سے مقیم نہیں ہیں بلکہ اُن کا مقصد روپیہ پیدا کرنا ہے ہم ہندوستان کو نہیں
چھوڑ سکتے اسلئے کہ ایسا کرنا ہمارے مفاد و مصلحت کے خلاف ہے ہندوستان میں رہنا اور اپنا مقصد حاصل کرنا ہمارا
فرض ہے" اب فرمائیے اس عبارت میں تو کوئی الجھاؤ نہیں ہے بلکہ بات بالکل صاف ہے ہندوستانیوں نے اگر اب
تک نہیں سمجھا تو اب اُن کو سمجھ لینا چاہئے۔ اکتوبر ۱۹۳۰ء میں سر ولیم جوائنسن ہکس ہوم سکرٹری انگلستان نے ایک اور
مزے دار بات فرمائی ہے "ہم نے ہندوستان ہندوستانیوں کی بھلائی کے لئے فتح نہیں کیا ہے اور ہم ہندوستان
میں ہندوستانیوں کی بھلائی کے لیے نہیں ہیں"

میرے معزز دوستو! اس گورنمنٹ کی وعدہ خلافیوں اور عہد شکنیوں کی ایک طویل داستان ہے جسکی تفصیل کا یہ وقت نہیں
ہے ایشیائی معشوقوں کی طرح اسکا ایک وعدہ بھی سچا نہیں۔ مسلمانوں کے مذہب میں جسطرح جھوٹ بولنا اور کذب بیانی کرنا منع
اور حرام ہے اسیطرح آپکی حکومت کے سیاسی عقیدہ میں سچ بولنا، سچی بات کہنا اور وعدہ کرکے پورا کرنا ناجائز ہے۔ جب حالات اور
واقعات یہ ہیں تو ڈومینین سٹیٹس کا موجودہ صاف و صریح وعدہ کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے دوران جنگ میں یہ کہا جا رہا ہے کہ ہم
موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہیں اسوقت مرکز میں ذمہ دار حکومت کا قیام کس طرح کیا جا سکتا ہے فتح کے بعد کہا جائے گا کہ
جلد از جلد کا یہ مطلب نہیں تھا کہ فوراً ہی اس پر غور کیا جائے ہم ابھی تھکے ہوئے ہیں ذرا دم لینے دو اس کے بعد غور کیا جائیگا
ایک مدت تاریخ مقرر کرنے میں گذرے گی پھر یہ بحث شروع ہوگی کہ کون کون سی پارٹیوں کو دعوت دیجائے اور انگلستان
یا ہندوستان کی راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں کن کن لوگوں کو مدعو کیا جائے۔ بہت سا وقت اس بات کو طے کرنے میں گذرے
گا۔ اسکے بعد جب اجتماع ہوگا۔ تو کہا جائیگا کہ کانگریس اور مسلم لیگ میں سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔ آخر میں کہہ دیا جائیگا کہ جب اہل ملک
میں باہمی اتفاق نہیں ہے تو اس ملک کے باشندوں کو ذمہ داری کس طرح دیجا سکتی ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہمیں میں سے کوئی
یہ کہدے کہ بعض شعبے گورنمنٹ کو ابھی اپنے ہی ہاتھ میں رکھنے چاہئیں۔ یہ تمام باتیں ممکن ہیں اور جو جئے گا وہ دیکھے
گا کہ یہی مسٹر ایمرے ہوں گے اور یہی اُن کا اعلان ہوگا اور اس اعلان کی اتنی خوبصورت تاویل کیجائیگی کہ ڈومینین سٹیٹس کا

مفہوم ہی بدل جائیگا۔ اگرچہ مختلف اوقات کے مختلف اعلانوں میں یہاں تک کہا جا چکا ہے کہ ہندوستان کو ایسی آزادی دیجائیگی جیسی آزادی انگلستان کو حاصل ہے لیکن ان صاف اور صریح اعلانات کی جو تاویل کیجائے گی اور جو مطالب بیان کیا جائیگا وہ ان اعلانات سے زیادہ مزے دار اور لطف آمیز ہوگا۔

حضرات! میں آپ سے صاف طور پر عرض کردینا چاہتا ہوں آپ یہ خیال نہ کیجیے کہ جنگ میں فتح حاصل کرتے ہی گورنمنٹ آپ کو درجۂ نو آبادیات دیدے گی۔ ابھی ڈومنین اسٹیٹس کے حصول میں سخت ترین اور سنگلاخ راستوں سے آپکو گذرنا ہے اگر آپ اس عرصہ میں ہندو مسلمانوں سے سمجھوتہ کی کوئی راہ نکال سکتے ہیں تو آپیں جلدی کیجئے کم از کم انگریزوں کے لیے اس عذر کا دروازہ تو بند کر دیجئے کہ ہمارے سامنے کوئی متفقہ فارمولا نہیں ہے ہم ذمہ دار حکومت کس طرح دیں۔

مسلمانوں کا غلط استعمال

میں یہ بھی آپ سے عرض کردوں کہ جسطرح اسوقت تک آپ کے کندھے پر بندوق رکھ کر چھوڑی گئی ہے آئندہ بھی آپ ہی کو استعمال کیا جائیگا اور یہ کہا جائیگا کہ نو کروڑ مسلمانوں کو ہم کس طرح نظر انداز کرسکتے ہیں اتنی بڑی اقلیت اور ایسی بڑی وفادار اقلیت کو کس پر چھوڑدیں یہ جنگ کی فتح کا فرضی سہرا تمہارے سر پر باندھا جائیگا وزیر ہند کہیں گے مسلمانوں ہی نے یہ جنگ جیتی ہے پنجابی مسلمانوں نے دشمن کی فوجوں کو کھیت کردیا اور برطانیہ کی فتح اصل میں پنجابی مسلمانوں کی فتح ہے۔ یہ باتیں کرکے تم کو سراہا جائیگا اور تم کو ہی ہندوستان کی آزادی کی راہ میں یہ کہکر ڈھال بنایا جائیگا کہ مسلمانوں کو ہندو اکثریت پر اعتماد نہیں ہے اسلئے ہم سب سے بڑی وفادار قوم یعنی مسلمانوں کو ہندوؤں کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑ سکتے۔ یہ کھیل تمہارے ساتھ کھیلا جانیوالا ہے۔ افریقہ میں تمہاری بہادری اور جانبازی کے افسانے بیان کئے جائیں گے اور ہندوستان میں تمہاری بزدلی اور نامردی کا رونا رویا جائیگا۔ یہ گورنمنٹ بیک وقت یہ دونوں باتیں کہکر تم کو بیوقوف بنائیگی یعنی افریقہ میں تم ایسے بہادر ہو کہ ہٹلر کو شکست دے سکتے ہو اور جرمن کو باوجود اسکی تمام قوت کے شکست دیدینا تمہارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے لیکن ہندوستان میں تم ایسے بزدل اور نامرد ہو کہ ہندوؤں سے اپنے حقوق کا تحفظ نہیں کرسکتے۔ یہ وقت مسلمان قوم کے بہادروں کے لیے انتہائی ذلت ورسوائی کا وقت ہوگا اور دنیا کی آزادی پسند قوموں کے سامنے مسلمانوں کو منہ دکھانے کی جگہ نہ رہیگی اسلئے میں چاہتا ہوں کہ اسوقت سے پیشتر کوئی ایسا فارمولا دونوں قوموں کے مابین تلاش کیا جائے جس کی بنیاد ہندو یا مسلم راج پر نہ ہو بلکہ اسکی بنیاد ایک مشترکہ راج پر ہو۔

مسلمانوں میں اتحاد کی ضرورت

میرے معزز دوستو! اس کام سے پیشتر ایک اور کام نہایت ضروری اور اہم ہے اور وہ ہر خیال کے مسلمانوں کا باہمی اتحاد ہے میں سمجھتا ہوں کہ یہ کام ہندو مسلمانوں کے مشترکہ فارمولے سے بھی زیادہ مشکل ہے لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ اس سے زیادہ ضروری اور لازمی ہے اسکو موخر کیا جاسکتا ہے لیکن اسکو موخر نہیں کیا جاسکتا۔ اسوقت مسلمانوں میں ایک عام انتشار اور تشتت موجود ہے جس طرح ممکن ہو اسکو دور کیا جائے اور مسلمانوں کے سیاسی حقوق کے متعلق ایک عام فارمولا مرتب کیا جائے

اور میرے خیال میں اس نیک اور صحیح کام کو جمعیۃ علماء ہی انجام دے سکتی ہے۔ اگر جمعیۃ علماء اپنے خداداد اثر و رسوخ کو استعمال کرے تو یہ کام کچھ مشکل نہیں ہے۔ جمعیۃ علماء نے ہمیشہ مسلمانوں کی صحیح خدمات انجام دی ہیں جمعیۃ علماء ہی ایک ایسی لچکدار جماعت ہے کہ مفاد ملت اور مسلمانوں کے نفع کے لیے ہر طبقہ اور ہر خیال کے حضرات کے ساتھ مل کر کام کر سکتی ہے ۱۹۲۹ء میں سر آغا خاں کی زیر صدارت دہلی میں جو اجتماع ہوا تھا اس میں جمعیۃ علماء ہند کے سابق صدر حضرت علامہ مفتی مولانا محمد کفایت اللہ صاحب کی صحیح رہنمائی سے کون شخص واقف نہیں ہے آپ میں سے کون نہیں جانتا کہ مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ اور سر شفیع مرحوم کے اختلاف کو اپنی خداداد قابلیت سے کس نے دور کیا تھا۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب ملک میں جناح لیگ اور شفیع لیگ کی خاص شہرت تھی۔ شفیع لیگ سر آغا خاں کی آل پارٹیز میں شریک تھی مولانا محمد علی اور سر شفیع کا اختلاف مشترکہ انتخاب کے سلسلے میں تھا اور یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ شاید آل پارٹیز ناکام ہو جائے اس انتہائی خطرہ کے وقت حضرت مفتی صاحب قبلہ کی صحیح رہنمائی نے کام کیا اور ان دونوں بزرگوں کو ایک ایسے نقطہ پر جمع کر دیا کہ آل پارٹیز ایک متفقہ تجویز مرتب کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ آج مسلمانوں کو پھر ایک آل پارٹیز کی ضرورت ہے۔

مسٹر جناح سے مایوسی

معزز حضرات! اس وقت مسلمانوں کو جس چیز کی ضرورت ہے یعنی مسلم حقوق کے متعلق ایک ایسے متفقہ فارمولے کی ترتیب جس سے آئندہ کانسٹی ٹیوشن میں مسلمانوں کا صحیح تحفظ ہو سکے یہ کام مسٹر جناح کی لیگ کر سکتی تھی بشرطیکہ مسٹر جناح میں مل کر کام کرنے اور ٹھنڈے دل سے دوسروں کی باتوں پر غور کرنے کی عادت ہوتی مگر افسوس ہے کہ مسلمانوں میں اول تو کام کے آدمیوں کی کمی ہے اور جو آدمی ہیں وہ بدقسمتی سے مسٹر جناح جیسے بزرگ ہیں جن کو نہ صرف اپنی رائے پر اعتماد ہے بلکہ اپنے مقابلہ میں کوئی دوسری آواز سننا ہی نہیں چاہتے اور اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ اپنی مفروضہ لیڈری کی طاقت سے ہر مخالف کی آواز کو فنا کر دیں۔ آخر نو کروڑ مسلمانوں کا معاملہ ہے یہ کوئی مسٹر جناح کا ذاتی معاملہ نہیں ہے۔ یہ کہہ دینا آسان ہے کہ ہم دو کروڑ مسلمانوں کو قربان کرنے پر تیار ہیں لیکن دو کروڑ مسلمانوں کو قربان کر کے چار کروڑ ہندوؤں کی پرورش کرنا ہمارے نزدیک کوئی دانشمندی نہیں ہے کیا کوئی ایسی راہ نہیں ہے کہ ایک مسلمان کو بھی قربان کیے بغیر ہم تمام مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کر سکیں۔ ابتدا میں ایسا خیال ہوتا تھا کہ مسٹر جناح کی یہ تحریک ایک قسم کا سیاسی دباؤ ہے جس سے وہ آئندہ کانسٹی ٹیوشن میں مسلمانوں کے حقوق کا زیادہ سے زیادہ تحفظ چاہتے ہیں۔ لیکن مدراس کی تقریر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس رائے پر سختی سے قائم ہیں اور ملک کو دو حصوں میں تقسیم کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ سب سے زیادہ اس بحث میں جو چیز عجیب و غریب ہے وہ ان صوبوں کے مسلمانوں کی آمادگی ہے جن کی قربانی کا ذکر کیا جا رہا ہے جن صوبوں میں مسلمان کم ہیں اور ہندوؤں کی تعداد زیادہ ہے ان کو قربان کر کے مسٹر جناح دوسرے مسلمانوں کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں اگر ان صوبوں کے مسلمان اس تحریک کی مخالفت کرتے تو مجھے تشویش نہ ہوتی لیکن جب میں دیکھتا ہوں کہ بھینٹ چڑھنے والے بھی قربان ہونے کو تیار ہیں البتہ

بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کر دو اور ہم کو ہندوؤں کے رحم وکرم پر چھوڑ دو مسٹر سکندر اگر اس علما ک
مدراس نہیں گئے اور اُن کے خیالات کا علم نہیں کہ وہ لاہور کے ریزولیشن کی اس تشریح کو جو مسٹر جناح نے مدراس میں اور سیا
کی ہے کس نظر سے دیکھتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ اس مرحلے پر پہنچکر اس مسئلے نے ایک خاص قسم کی نوعیت حاصل کر لی ہے ہوگا
اور اس امر کی ضرورت ہے کہ سنجیدگی کے ساتھ اہل الرائے حضرات اس پر غور کریں۔ یہ مسئلہ ضد بحث کا نہیں ہے بلکہ زندگی
آئندہ کانسٹی ٹیوشن میں مسلمانوں کے تحفظ اور اُن کی بقا کا سوال ہے مسٹر جناح نے جو کچھ مدراس میں کہا ہے اُس اندر ایا
میں اگرچہ بہت کچھ اُن کی علالت اور دماغ کی کمزوری کو دخل ہے لیکن لیگی حلقوں کی جانب سے اسکی ابھی تک نہ تحریر
کوئی تردید نہیں ہوئی ہے بلکہ اورنگ زیب خاں نے ایک تازہ بیان میں اس کی بڑی حد تک تائید کی ہے وفات
مسٹر جناح نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ مسلم لیگ نے برطانیہ کو اُن مشکلات سے بچا لیا ہے جو کانگریس کی جانب سے
اُس کو پیش آنے والی تھیں اخبارات میں تو یہاں تک بھی آیا ہے کہ انھوں نے گورنمنٹ سے کانگریس کے خلاف ڈیفنس
آف انڈیا ایکٹ کو سختی کے ساتھ استعمال کرنے کی سفارش کی ہے اگر یہ خبریں صحیح ہیں تو اب مسٹر جناح اس درجہ پر پہنچ
پہنچ گئے ہیں کہ اُن سے کوئی اچھی توقع کرنا بے سود ہے اور اس مسئلہ پر غور کرنے کی غرض سے ایک آل پارٹیز کو انعقاد کی
جلد ضرورت ہے۔

جمعیۃ علما کی ذمہ داری

محترم دوستو! جس تجویز پر مسٹر جناح اور اُن کے مخصوص حلقہ بگوش مصر ہیں اُسپر تمام ملک کے مسلمان متفق نہیں
خود گورنمنٹ مسٹر جناح کے اس مطالبے کو کس نظر سے دیکھتی ہے اس سے اسوقت بحث نہیں گورنمنٹ کا طرز عمل جو کچھ ہے وہ آپ جانتے
ہیں نہ ہندو مہا سبھا کی مخالفت کا کوئی صاف جواب اور نہ مسلم لیگ کے مطالبے کی تائید مسٹر امیری کبھی کچھ بیان دیدیتے
ہیں اور کبھی کچھ! اسوقت گورنمنٹ سے بحث نہ کیجئے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ مسلمانوں میں تقسیم ہندوستان پر خود اختلاف ہے اور اسکی
بڑی دلیل وہ کانفرنس ہے جو گذشتہ سال دہلی میں آزاد مسلم کانفرنس کے نام سے ہوئی تھی اور جسمیں پچہتر ہزار سے لیکر ایک
لاکھ مسلمان تک شریک ہوئے تھے اور جسکو تمام ہندستان کی نمائندگی کا شرف حاصل ہو چکا ہے اتنی بڑی کانفرنس نے
نے اس تجویز کی مخالفت کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر جناح کی تجویز سے تمام مسلمان متفق نہیں ہیں لہذا ایسے نازک موقعہ
پر جمعیۃ علماء ہند کو اپنی ذمہ داری کا احساس کرنا چاہئے اُس نے ہر موقعہ پر مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کی ہے۔ جمعیۃ علما کی
بیس اکیس سالہ زندگی میں آپ ایک موقعہ ایسا نہیں بتا سکتے جسمیں اُسنے مسلمانوں کی صحیح خدمت نہ کی ہو۔

جمعیۃ علما کی خدمات

محترم حضرات! جمعیۃ علماء ہند کی خدمات کے تفصیلی ذکر کا موقعہ نہیں ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ جمعیۃ علماء ہند
بلا خوف لومۃ لائم اپنے اس فریضہ کو ادا کیا ہے جو خدا اور اس کے رسول کی طرف سے علماء پر عاید ہوتا ہے۔ بعض لوگ یہی سمجھتے ہیں

اگر یہ علما کا وظیفہ صرف نماز روزہ یا اسکے مسائل بتا دینا ہو لیکن علماء حق نے اس دور میں یہ ثابت کر دیا کہ مسلمانوں کی مذہبی
اور سیاسی رہنمائی کا حق صرف علماء ہی کو ہے۔ مسلمانوں کا جو کام شریعت کی رہنمائی میں ہوگا وہی صحیح ہوگا۔ مسلمان اپنے مذہب
سے بیگانہ ہو کر اگر کوئی راہ اختیار کرینگے تو گمراہ ہو جائیں گے۔ مقدس اسلام ایک مکمل ترین مذہب ہے کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ انسانی
زندگی کا کوئی شعبہ ایسا بھی ہے جس میں اسلام نے رہنمائی سے اپنے عجز کا اظہار کیا ہو اگر اسلام ہر زمانہ کی ضروریات کے لئے اپنے
اندر ایک مکمل پروگرام رکھتا ہے تو یہ بات کس طرح کہی جا سکتی ہے کہ علماء سے بے نیاز ہو کر آپ مقصود کو حاصل کر سکتے ہیں جمعیۃ علما
نے تحریک خلافت کی ابتدا سے آج تک جو خدمات کی ہیں اُنکی مختصر تفصیل حضرت مولانا ابو المحاسن محمد سجاد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی
وفات سے چند یوم قبل مرتب کی تھی لیکن اُن خدمات کے تذکرہ کو دہلی گورنمنٹ نے ضبط کر لیا آج ہندوستان کی کوئی مسلم
جماعت بھی ایسی نہیں ہے جسکی خدمات کا اتنا وسیع اور شاندار ریکارڈ ہو۔ تحریک خلافت کی ابتدا میں عدم تعاون کا
موپلہ مظلومین کی امداد۔ مکمل آزادی کا نصب العین۔ جمعیۃ علما کا شعبہ تبلیغ اسلام اور شدھی و سنگٹھن کا مقابلہ۔ نہرو
رپورٹ پر مفصل تبصرہ۔ حجازی مؤتمر اسلامی۔ اعراب فلسطین کی امداد۔ سائمن کمیشن کا بائیکاٹ مسلمانوں کے دستوری مطالبات
فارمولا۔ ساردا ایکٹ کی مخالفت۔ حجاج کا نیا قانون۔ معلمین حج کا قانون کانگریس کے مقابلہ میں جمعیۃ علما کا تبادل
دستوری فارمولا۔ شہداء پشاور۔ واردھا تعلیمی اسکیم پر تنقید۔ اسلامی اوقاف اور ٹیکس۔ کمیونل ایوارڈ۔ قانون فسخ
نکاح اور دار القضا شریعت ایکٹ جمعیۃ علما کی خدمات مذہبیہ اور سیاسیہ کی یہ ایک مختصر روداد ہے۔ جو میں نے آپ کے سامنے
عرض کی ورنہ جمعیۃ علما کی خدمات اس سے بہت زیادہ ہیں۔ ہمارے مخالف ہمارے خلاف کتنا ہی پروپیگنڈا کریں لیکن جمعیۃ
علما کی خدمات جلیلہ سے کسی کو مجال انکار نہیں۔ چونکہ جمعیۃ علماء ہند نے ہر نازک موقعہ پر ملت اسلامیہ کی صحیح اور بے لاگ خدمت
دی ہے اسلئے اس موقعہ پر بھی جمعیۃ علما کو قدم اٹھانا چاہئے۔ اور جمعیۃ علماء ہند کے ذمہ دار ارکان کو اجازت دینی چاہئے کہ وہ ملک
کے مختلف حضرات سے خط و کتابت کے ذریعہ یا ملاقات کر کے کسی مناسب مقام پر ایک مخصوص اجتماع کا انتظام کریں
جس میں ہر طبقے اور ہر قسم کے خیالات رکھنے والے حضرات کا اجتماع ہو کر اور ایک دفعہ پھر ملت اسلامیہ کے مفاد پر غور کیا جائے
چند دن میں ہندوستان ارتقائی منازل کو طے کرنے والا ہے اگر غفلت سے کام لیا گیا تو مسلمانوں کو ناقابل تلافی
نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

دو تجویزیں

میرے معزز دوستو! اس وقت مسلمانوں کے سامنے دو ہی تجویزیں ہیں ایک وہ تجویز جو مسٹر جناح
کی تجویز ہے اور جسکو عوام پاکستان کی تجویز کہتے ہیں اور دوسری وہ تجویز جو آزاد مسلم کانفرنس کی تجویز کے نام سے
شائع ہو چکی ہے جسکا مفاد یہ ہے کہ صوبوں کو زیادہ سے زیادہ آزادی حاصل ہو لیکن مرکز ایک ہی ہو اور مرکز سے تمام صوبوں
کا الحاق رہے اور مرکز کو صوبوں کے اندرونی معاملات میں دخل دینے کا حق نہ ہو یہ دو تجویزیں ہیں۔ مسلم آزاد کانفرنس

کی تجویز کو جمعیۃ علماء ہند کی تائید حاصل ہے مسلم آزاد کانفرنس میں جمعیۃ علماء ہند کے نمائندوں نے اول تو خود بھی شریک ہو کر پھر گذشتہ سال جونپور میں جمعیۃ علماء ہند نے ان تجاویز سے اپنا اتفاق ظاہر کر چکی ہے۔ لیکن میں اس میں مضائقہ نہیں سمجھتا کہ جمعیۃ علماء ہند بحمایت ملت کی وجہ سے اور مسلمانوں کو موجودہ انتشار سے بچانے کی غرض سے ایک ایسا قدم اٹھائے جو تمام مختلف جماعتوں کو قریب تر لانے والا ہو۔ لعل اللّٰہ یحدث بعد ذلک امرا

تحریک ستیہ گرہ اور حکومت کا طرز عمل

معزز حاضرین! موجودہ تحریک ستیہ گرہ جو آزادی تقریر حاصل کرنے کی غرض سے جاری کیگئی ہے وہ معقول ہو یا نامعقول لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس کا مبنیٰ نہایت ہی معقول ہے آزادی تقریر کے مطالبہ کو کسی حالت میں بھی نامعقول نہیں کہا جا سکتا پھر گاندھی جی نے جس حزم و احتیاط اور قیود و شرائط کے ساتھ اسکو جاری کیا ہے اسکا مقتضیٰ یہ تھا کہ ستیہ گرہ کے قیدیوں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ مراعات کیجاتیں اور اُن کے ساتھ انسانوں کا سا سلوک کیا جاتا جو لوگ بغیر کسی مزاحمت کے صرف چند الفاظ کہنے پر گرفتار ہوتے ہیں انکے ساتھ اخلاقی مجرموں کا سا سلوک کسیطرح بھی مناسب نہیں ہے مگر افسوس ہے کہ گورنمنٹ یو۔ پی کا طرز عمل اس معاملے میں بہت زیادہ قابل اعتراض ہے اس صوبہ میں قیدیوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے اور اس صوبہ میں ہر قسم کی انکو تکالیف پہنچائی جا رہی ہیں۔ یہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ گورنمنٹ کے پاس روپیہ کم ہے لیکن اول تو جرمانے کی معقول رقم وصول کیجا رہی ہے پھر اگر روپیہ کم ہے تو اُن کو اپنے روپیہ سے اہم ضروریات کو پورا کرنے کی اجازت دی جائے۔

ستیاگرہ اور جمعیۃ علماء ہند

حضرات! جمعیۃ علماء ہند کا تحریک آزادی کے سلسلے میں ہمیشہ ایک ہی نظریہ رہا ہے اور وہ یہ کہ اس ملک کو آزاد کرانا مسلمانوں کا مذہبی فریضہ ہے لیکن ۱۸۵۷ء کے بعد سے مسلمان اسقدر کمزور اور ضعیف ہو گئے ہیں کہ وہ تنہا اس فریضہ کو ادا نہیں کر سکتے اسلئے انکو ملک کی دیگر اقوام کے اشتراک کیساتھ اس کام کو کرنا چاہئے۔ جہانتک ہندوستان کی آزادی کا سوال ہے وہ ہندوستان کی تمام بسنے والی قوموں کا حق ہے اور اس راہ میں سب قوموں کو اپنے اپنے حصے کی قدر حصہ لینا چاہئے جمعیۃ علماء ہند نے یہ فیصلہ شریعت اسلامیہ کی روشنی میں کیا ہے۔ اس بنا پر جب کبھی آزادی کے نام پر اس ملک میں کوئی تحریک شروع ہوئی ہے جمعیۃ علماء ہند نے بھی اُسمیں شرکت کی ہے اور یہ سمجھکر شرکت کی ہے کہ جمہوری اصول کی بنا پر جو آزادی حاصل ہوگی اُس میں کم از کم مسلمانوں کی حالت موجودہ حالت سے بہتر اور بلند ہوگی۔ اپنی حکومت بہرحال غیروں کی حکومت سے بہتر اور مفید ہی ہوگی۔ اگرچہ موجودہ جمہوریت اسلامی جمہوریت نہیں ہے لیکن حکومت تسلطہ کے قبضہ تسلط سے جسقدر آزادی میسر آئے اُسکو ترک کرنا نہیں چاہئے جمعیۃ علماء ہند ایک طرف آزادی کی تحریک میں دوسری قوموں کے دوش بدوش قربانیاں پیش کرتی رہی اور دوسری طرف اپنی حکومت میں مسلمانوں کے مذہبی اور سیاسی حقوق کا پورا پورا خیال کیا۔

سہارنپور کا فارمولا۔ نہرو رپورٹ پر تنقید و تبصرہ۔ ودیا مندر اسکیم۔ اور واردھا تعلیمی اسکیم پر اس کی تجاویز یہ سب اس امر کی شاہد ہیں کہ جمعیۃ علما ہند نے کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی مسلمانوں کے حقوق سے تغافل نہیں کیا۔ چونکہ جمعیۃ علما ہند کا ہمیشہ سے یہی مسلک رہا ہے۔ اس لیئے اُس نے موجودہ تحریک میں بھی شرکت کی ہاں یہ ضرور ہے کہ اس دفعہ اُس نے کوئی علٰحدہ پلیٹ فارم ستیاگرہ کی غرض سے قائم نہیں کیا یہی وجہ ہے کہ اُسکے ارکان کانگریس ہی کے پلیٹ فارم سے گرفتار کیئے گئے۔ اس دفعہ اس تبدیلی کی وجہ یہ ہوئی کہ اول تو قیود و شرائط کی پابندی کا لحاظ جدید پلیٹ فارم کا مقتضی نہیں تھا۔ نیز پچھلے دنوں دہلی کے سالانہ اجلاس میں جمعیۃ علما ہند شرکت کانگریس کی ایک تجویز پاس کر چکی ہے۔ اس لیئے اس تجویز کی روشنی میں کوئی علٰحدہ پلیٹ فارم بنانا مناسب نہیں تھا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ دہلی کی تجویز کے بعد یہی شکل ہوسکتی ہے کہ جہاں تک ہندوستانی حقوق کا سوال ہے اُس کے لیے صرف کانگریس ہی کا پلیٹ فارم ہونا چاہئے۔ البتہ مسلمانوں کے مذہبی اور سیاسی حقوق کے لیے مسلمانوں کی ایک جماعت ہونی چاہیے اور وہ جمعیۃ علما ہند ہی ہوسکتی ہے۔ جو مذہبی روشنی میں مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت اور نگرانی کی اہل ہے۔ اگر عوام جمعیۃ علما ہند سے وابستہ ہوجائیں اور جماعت کو زیادہ سے زیادہ مضبوط کردیں تو میں خدا کے فضل اور اسکے بھروسہ پر عرض کرتا ہوں کہ مسلمانوں کے حقوق کو کوئی طاقت نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

قانون فسخ نکاح اور دار القضاء

حضرات! پچھلے دنوں جمعیۃ علما ہند کی مساعی سے اسمبلی میں فسخ نکاح کے متعلق ایک قانون وضع ہو چکا ہے۔ اس قانون کی وضع میں سید محمد احمد صاحب کاظمی کی مساعی کو خاص دخل ہے لیکن اس قانون میں شرعی نقطہ نگاہ سے جو نقص رہ گیا ہے اُس نقص نے قانون کو مذہبا بالکل بیکار کر دیا ہے مسلمان حاکم کی شرط کو گورنمنٹ نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور یہ بات پھر ایک دفعہ صاف ہوگئی کہ مسلمان موجودہ حکومت کے دور میں اپنے مذہب پر عمل کرنے سے قاصر اور مجبور ہیں۔ ہم نے بارہا اس امر کو ظاہر کیا ہے کہ شریعت محمدیہ کسی نئے قانون کی محتاج نہیں ہے اور نہ ہم کو اپنی معاشرتی اصلاح کے لیے کسی قانون کی ضرورت ہے۔ ہم صرف ایک ہی بات چاہتے ہیں اور وہ یہ کہ ہم کو اپنی شریعت پر عمل کرنے کی اجازت دیجائے ہم خود ایک مکمل قانون رکھتے ہیں لیکن افسوس کہ ہم کو ہمارے مذہبی قوانین پر عمل کرنیکی اجازت نہیں دیجاتی۔ ہندوستان کو ریفارم ملی۔ اسمبلیاں بنیں۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن مسلمانوں کا دکھ دور نہیں ہوا۔ اور جب تک ہم کو اپنے مذہب پر عمل کرنیکی اجازت نہ ہوگی ہمارا یہ دکھ دور نہیں ہوسکتا۔ فسخ نکاح کے لیے مسلمان قاضی یا مسلمان حاکم کی شرط ایسی شرط نہیں ہے جو آج گھڑ لی گئی ہو۔ یہ ایک سیدھی اور صاف بات تھی لیکن گورنمنٹ نے اسکو تسلیم نہیں کیا۔ عورتوں کی جس تکلیف کا خیال کرتے ہوئے عرصہ کی کوشش کے بعد یہاں تک نوبت پہنچی تھی...... اُس تمام کوشش کو برباد کر دیا گیا۔ مسلم حاکم کی شرط نہ ہونے سے اب جو عورت اس قانون کی رو سے اپنا نکاح فسخ کرائیگی اُسکا نکاح فسخ نہ ہوگا۔ اسلیئے اس قانون کا استعمال کرتے وقت مسلمانوں کو اس امر کا خیال رکھنا چاہیے اگر مقدمہ مسلمان حاکم کی عدالت میں ہو تو پیروی کریں ورنہ دعویٰ واپس لے لیں۔ خدا غریق رحمت کرے حضرت مولانا ابوالمحاسن

محمد سجاد کو وہ سخت مضطرب تھے اور بار بار فرمایا کرتے تھے اس قانون کو منسوخ کراؤ ورنہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سخت گرفت ہوگی۔ اس قانون سے سخت نقصان ہو رہا ہے۔ انھوں نے وائسرائے کو لکھا بھی تھا کہ آپ آرڈیننس کے ذریعہ اس قانون کو منسوخ کر دیں لیکن وائسرائے نے جو جواب دیا وہ انتہائی تکلیف دہ تھا نتیجہ یہ ہوا کہ قانون فسخ نکاح مسلمانوں کے گلے میں بلا بنکر آویزاں ہے۔

حضرات! جب تک مسلمانوں کے لیے دارالقضا قائم نہ ہو۔ اور مسلمانوں کو قاضی کے انتخاب کا حق نہ دیا جائے۔ اور قاضی کے فیصلوں کا نفاذ نہ ہو۔ اسوقت تک مسلمانوں کی شرعی زندگی قائم نہیں رہ سکتی۔ مسلمانوں کا مذہب ایک تنظیمی اور جماعتی مذہب ہے۔ اگر مسلمان کسی مسلمان خلیفہ یا سلطان سے محروم کر دئے جائیں اور ان پر کوئی غیر مسلم فرمانروا مسلط ہو جائے تو پھر شرعی زندگی کی صرف ایک صورت ہے کہ مسلمان اپنا والی اور امیر مقرر کر لیں اور اسکے ہاتھ پر بیعت کر کے اسکے ماتحت اپنی شرعی زندگی قائم رکھیں۔ مسلمانوں پر جب انحطاط اور زوال کا دور شروع ہوا اور اُن پر غیر مسلم فرمانروا مسلط ہوئے تو انھوں نے اپنی شرعی زندگی کا بھی انتظام کیا لیکن آہستہ آہستہ مسلمانوں میں سے یہ احساس مٹ گیا۔ اور وہ غیر شرعی زندگی پر قانع ہو گئے۔ اور مسلمان امیر کے قیام کو انھوں نے نظر انداز کر دیا۔ جمعیۃ علماء ہند کے قیام اور اُسکی تاسیس کے بعد یہ سوال کئی دفعہ زیر بحث آیا لیکن اس کی دشواریوں اور موانع کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ معاملہ ملتوی ہوتا چلا گیا ۱۹۴۷ء کے انقلاب کے بعد بھی بعض اہل علم نے اسپر غور کیا لیکن اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ اور ابھی نہیں کہا جا سکتا کہ موجودہ حالات میں وقت اس کام کے لیے کب مساعد ہوتا ہے۔ حضرت مولانا ابو المحاسن مرحوم مغفور نے صوبۂ بہار میں امارت شرعیہ قائم کی تھی اور وہ اس وقت تک بحمد اللہ تعالیٰ قائم ہے۔ اگرچہ مولانا مرحوم جس پیمانے پر خواہشمند تھے وہ بات میسر نہ ہوئی۔

سید محمد احمد کاظمی کا قاضی بل

برادرانِ ملت! اس غیر شرعی زندگی کی تکلیف آہستہ آہستہ بعض مخلص مسلمانوں کو محسوس ہو رہی ہے۔ اسی بنا پر اس کا حل تلاش کیا جا رہا ہے۔ صحیح شکل تو وہی ہے جو میں نے عرض کی ہے۔ قیام امارت کے بعد امارت کی زیرنگرانی یہ تمام امور انجام پائیں۔ لیکن جب تک وہ مرتبہ میسر نہ آئے کم از کم قاضی بنا کر کام چلایا جائے۔ قاضی کا انتخاب امارت کے مقابلہ میں سہل ہے۔ قاضی ایک گاؤں اور ایک محلے کے مسلمان بھی منتخب کر سکتے ہیں لیکن اس میں جو دشواری پیش ہے وہ بھی اہل علم حضرات سے مخفی نہیں ہے۔ قاضی کے فیصلوں کا نفاذ اس ملک میں دشوار ہے۔ یا تو مسلمانوں میں خود یہ احساس ہو کہ وہ قاضی کے فیصلوں کو نفاذ کا حق دیں یا پھر حکومت مسلمانوں کا یہ حق تسلیم کرے کہ قاضی جو فیصلہ کر دیگا اسکو نافذ سمجھا جائے گا۔ صوبۂ بہار میں بھی یہ دشواریاں پیش آئیں مثلاً قاضی نے ایک عورت کا نکاح فسخ کر دیا اور اس نے عدت کے بعد دوسرا نکاح کر لیا۔ اُس عورت کے پہلے خاوند نے زوجیت کا دعویٰ کر دیا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام لوگوں کے خلاف مقدمات چلا دیئے گئے اور عدالت نے فسخ کرنے والے قاضی اور دوسرا نکاح کرنیوالے لوگوں کو فوجداری سپرد کر دیا اور یہ صورتیں وہاں عام طور سے پیش آئیں۔ جہاں فریقین میں سے کسی ایک فریق نے قاضی کے فیصلے کو تسلیم نہیں کیا اُسی نے حکومت

متسلط کی قائم کردہ عدالتوں کو استعمال کر لیا، ابتدا میں امارت شرعیہ کے قاضیوں کو یہ دشواریاں پیش آتی رہیں۔ لیکن مولانا سجاد مرحوم کے عام اثر اور صوبۂ بہار کے مسلمانوں کی عام مذہبی بیداری نے چند دنوں میں یہ حالت بدل دی۔ اور خود حکومت کی عدالتیں دیوانی مقدمات امارت شرعیہ کی عدالتوں میں بھیجنے لگیں۔ اور جب متمرد اور سرکش مسلمانوں نے یہ دیکھا کہ آخر ہمارا فیصلہ دارالقضا ہی میں ہوتا ہے تو وہ دارالقضا کے فیصلوں کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے۔ یہی وہ دشواری ہے جس کے باعث دارالقضا قائم کرنے اور قاضیوں کا انتخاب کرنے میں مشکلات پیش آ رہی ہیں۔ سید محمد احمد کاظمی نے جو قاضی بل پیش کیا ہے۔ اسکو میں نے سرسری طور پر اخبار میں پڑھا تھا۔ اور سطحی طور پر مجھے اُس میں بعض سقم معلوم ہوتے تھے۔ میں چاہتا ہوں کہ جماعتی حیثیت سے اُس پر غور کیا جائے۔ اور اُسکو شرعی حیثیت سے درست کر لیا جائے۔ اور اُس کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد کاظمی صاحب کو بتا دیا جائے تاکہ وہ اسی نہج پر اسکو منظور کرانے کی کوشش کریں۔ اسی سلسلے میں مرکزی اسمبلی کے دوسرے ارکان کو بھی دعوت دی جائے اور زیادہ سے زیادہ مسلمان ممبران اسمبلی کو اس پر آمادہ کیا جائے کہ وہ جمعیۃ علما کے مسودے کو منظور کرائیں۔ اگر جمعیۃ علما کا مسودہ منظور ہو جائے تو ممکن ہے بعض مفاسد کا سد باب ہو سکے۔

مدح صحابہ اور گورنمنٹ یوپی

معزز حضرات! آپ کے صوبہ میں گورنمنٹ کی مہربانی سے ایک اور فتنہ پیدا کیا گیا ہے۔ مدح صحابہ کے قضیے سے آپ حضرات واقف ہیں میرے خیال میں اُسکی تفصیل اسوقت ضروری نہیں۔ یہ قصہ ایک عرصہ سے چل رہا ہے۔ بسا اوقات انسان عدم احساس کی وجہ سے بہت سی پابندیاں قبول کر لیتا ہے لیکن جب اسکو شعور اور احساس ہوتا ہے تو وہ ان پابندیوں کو ناقابل برداشت سمجھتا ہے۔ بعض دفعہ بہت سی باتیں ہم اپنی طبیعت کے خلاف دیکھتے اور سنتے ہیں لیکن ادھر توجہ نہیں ہوتی اور جب توجہ ہوتی ہے تو وہی باتیں ہمارے لیے تکلیف دہ ہو جاتی ہیں۔ اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہندوستان مختلف الخیال قوموں کا گہوارہ ہے۔ اس ملک میں اگر ہر شخص کو اپنے اپنے خیال کی اشاعت کا موقعہ دیا جائے تو اس ملک میں امن قائم رکھنا مشکل ہے۔ کسی ایک خیال کے لوگوں کا اگر سیاسی اقتدار ہو جائے اور وہ اپنے اقتدار کی قوت سے کوئی بات اپنے مخالف فریق کے خلاف کرنے لگیں تو کر سکتے ہیں لیکن اس سیاسی اقتدار اور قوت کے زائل ہونے کے بعد وہ دل آزاریات کس طرح قائم رہ سکتی ہے۔ ایک زمانہ میں آپ کے صوبہ متحدہ میں شیعی اقتدار قائم تھا۔ اور اودھ میں شیعوں کی حکومت قائم تھی۔ شیعوں کی حکومت کے دور میں سنیوں کے ساتھ کیا سلوک ہوتا رہا اور مغلوں کی مرکزی حکومت سے کس طرح بغاوت کی گئی یہ داستان علاوہ طویل ہونیکے تکلیف دہ بھی ہے۔ جب تک اودھ کا تعلق دہلی سے رہا کمپنی کو اودھ کی سلطنت پر ہاتھ ڈالنے کا موقعہ نہیں ملا۔ لیکن جس دن سے اودھ کی حکومت نے بغاوت کر کے اپنے کو مرکز سے علٰحدہ کیا اُسی دن سے یہ شیعی حکومت کمپنی کے ہاتھ میں کھلونا بنگئی اور آخر ایکدن ایسا آیا کہ کمپنی نے اودھ

کی حکومت کو اپنے ساتھ ملحق کر لیا۔ اور اس شیعی حکومت کا چراغ ہمیشہ کے لیے گل کر دیا گیا۔ اسی زمانہ میں شیعوں کا اثر و رسوخ آپ کے صوبہ میں بڑھا بلکہ شیعیت اُسی زمانے میں پھیلی آج آپ کے صوبہ میں ہزاروں شیعہ ایسے ہیں جو ایک صدی سے زیادہ کے شیعہ نہیں ہیں کسی کے دادا شیعہ بنے اور کسی کے پردادا سے شیعہ ہوئے۔ جب کسی جماعت کا سیاسی تفوق و اقتدار ہوتا ہے تو بلا وجہ کمزور قلب اُدھر مائل ہو جاتے ہیں۔ چونکہ صوبہ میں شیعوں کا اقتدار تھا اسلئے جو رسم چاہتے تھے جاری کرتے تھے اور جسکو چاہتے تھے ممنوع قرار دیتے تھے۔ سینوں میں بھی کوئی خاص احساس نہ تھا لیکن بتدریج یہ اقتدار ضعیف ہوتا گیا۔ اور سینوں پر سے شیعہ تفوق کا اثر زائل ہو گیا۔ یہ وہ واقعات ہیں جن کے بعد حقوق کی بحث کا سامنے آنا ضروری تھا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

جماعتی خطبات ص ۹۷

صحابہ کرام سے سینوں کو جو عقیدت ہے وہ ظاہر ہے۔ بلکہ ہر وہ شخص جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہے وہ آپ کے اصحاب کی فضیلت اور عظمت کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ جن لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی جان اور مال قربان کیا۔ ہر مصیبت میں ان کے کام آئے اسلام کی اشاعت میں پورا حصہ لیا انکو کس طرح نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنکی تعریف کی ہو اور جن سے اپنی محبت کا اظہار کیا ہو اور جن کو بُرا کہنے سے منع کیا ہو۔ انکی توہین یا تذلیل کو کس طرح برداشت کیا جا سکتا ہے یا اُنکی تعریف اور توصیف سے کس طرح مسلمانوں کو روکا جا سکتا ہے لیکن شیعی اثرات سے متاثر ہو کر گورنمنٹ نے ایک ایسا اعلان کر دیا تھا جس کی رو سے خاص خاص دنوں میں مدح صحابہ کو ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ اور یہی اس قضیے کی ابتدا ہے۔ کانگریسی حکومت کے دور میں سینوں کے اس حق کو تسلیم کر لیا گیا۔ اور سینوں کو شیعی حقوق کا تحفظ کرتے ہوئے تمام سال میں صرف ایک دن مدح صحابہ کے جلوس کی اجازت دیدی گئی۔ تمام سال میں صرف ایک دن اس قسم کے جلوس کی اجازت دینا سینوں کے ساتھ کوئی بہت بڑا سلوک نہ تھا۔ لیکن افسوس شیعوں نے اسکو گوارا نہ کیا اور مدح صحابہ کا مقابلہ تبرا سے کیا گیا۔ تبرا ایجی ٹیشن کے نام سے تحریک شروع کی گئی اور تبرا کے زمانے میں شاید ہی کوئی ایسی قبیح اور فحش بات باقی رہی ہو۔ جو صحابہ کرام اور ازواج مطہرات کے خلاف نہ کہی گئی ہو۔ سڑکوں۔ عام راستوں۔ مکانوں۔ اور بالا خانوں کی چھتوں پر اصحاب رسول اللہ اور آپ کی ازواج کو فحش گالیاں دی گئیں اور ہزارہا شیعہ سول نافرمانی کر کے جیل جاتے رہے۔ اگر میری یاد غلطی نہیں کرتی تو کم و بیش پندرہ ہزار شیعوں نے اصحاب رسول اللہ کو گالیاں دینے کی سعادت حاصل کی ہوگی۔ سابقہ گورنمنٹ نے اس تمام ایجی ٹیشن کا مقابلہ کیا۔ اور شیعوں کو اس کی اجازت نہیں دی گئی کہ وہ صحابہ کی توہین کا حق حاصل کر سکیں۔

سر مارس ہیلٹ کی حکومت!

محترم عزیزانِ ملت! اس تمام جھگڑے میں صرف ایک بات قابل توجہ ہے۔ کیا مدح اور قدح کو ایک حیثیت دی جا سکتی ہے۔ یعنی ایک شخص حکومت سے یہ حق طلب کرے کہ میں اپنے واجب الاحترام بزرگوں کی تعریف کا حق

مدح کرنا چاہتا ہوں اور دوسرا شخص یہ کہے کہ میں انہی واجب الاحترام بزرگوں کی توہین اور مذمت کرنا چاہتا ہوں تو کیا ان دونوں شخصوں کی حیثیت برابر ہوگی اور کیا ان دونوں کا یہ حق مساویانہ حیثیت سے تسلیم کر لیا جائیگا؟ یہی معاملہ تنقیح طلب ہے۔ اور اسی ایک چیز پر آپ کو غور کرنا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ دنیا کی کوئی مہذب حکومت یا دنیا کا کوئی منصف مزاج انسان ان دونوں باتوں کو یکساں حیثیت نہیں دیسکتا۔ جہانتک عقیدے کا تعلق ہے میں اس پر بحث کرنا نہیں چاہتا۔ ہر شخص اپنا عقیدہ قائم کرنے میں آزاد ہے۔ اگر میں ایک شخص کو اچھا سمجھتا ہوں تو یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص اُسے اچھا سمجھے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جس شخص کی میں تعریف کرتا ہوں اُس کے متعلق آپ کو بھی یہ حق ہو کہ آپ اس کو گالیاں دینے لگیں۔ یہی وہ نقطہ تھا جس کو سابقہ گورنمنٹ نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا اور اُس نے آخر وقت تک شیعوں کا یہ حق تسلیم نہیں کیا کہ ان کو قدح صحابہ کی اجازت دی جائے۔ لیکن سرمارس ہیلٹ کی حکومت نے اس معقول فیصلے کو ٹھکرا دیا اور اس سیدھی سادھی بات کو الجھا دیا۔ مدح اور قدح کو مساویانہ حیثیت دیکر نہ صرف یہ کہ سنی مسلمانوں پر ظلم کیا بلکہ ایک ایسا نامعقول فیصلہ کیا جس کو ہر سمجھدار آدمی ناپسندیدہ نگاہ سے دیکھے گا۔ پھر اس ستم ظریفی کو ملاحظہ کیجئے۔ کہ دو متضاد جلوسوں کو بہ یک وقت اجازت دیکر اپنی قوت کو غلط استعمال کیا۔ اور آخر میں دونوں جلوسوں کو بند کر دیا۔ سرمارس ہیلٹ نے یہ فیصلہ خواہ کسی حالت میں کیا ہو لیکن ہمیں اس پر سب سے بڑا اعتراض یہی ہے کہ انھوں نے دو متضاد باتوں کو یکساں حیثیت کیوں دی؟

ملک میں خاموشی

مجھے یہ دیکھ کر سخت تعجب ہوتا ہے کہ آج جبکہ سنیوں پر ایک معقول مطالبے کی بنا پر ظلم کیا جا رہا ہے اور مسلمانوں میں اختلاف کی خلیج کو وسیع کیا جا رہا ہے تو وہ تمام ہمدردان اسلام خاموش ہیں جو کانگریسی حکومت کے زمانے میں آپے سے باہر ہوئے جاتے تھے۔ نہ اب علامہ مشرقی کے دھمکی آمیز اعلان ہیں نہ اُن کی امت کے جتھے ہیں۔ نہ حیدرآباد کے کنارے بیلچہ برداروں کے کیمپ ہیں۔ نہ مسلم لیگ کے ذمہ داروں کا کوئی بیان ہے۔ نہ اتحاد بین المسلمین کے مدعیوں کی کوئی حرکت ہے۔ حالانکہ اس وقت تک ڈیڑھ ہزار بندگان توحید اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائی جیل خانوں میں بھیجے جا چکے ہیں جن کا جرم صرف اس قدر ہے کہ وہ اپنے پیغمبر روحی فداہ کے جاں نثار اصحاب کی مدح کیوں کرتے ہیں۔ شیعہ ایجی ٹیشن کے زمانے میں کہا جاتا تھا کہ مسٹر دلبو پنت مسلمانوں میں تفریق ڈلوا رہے ہیں اور وہ مسلم قوم کے شیرازے کو منتشر کر رہے ہیں۔ لیکن آج کوئی دریافت کرنے والا نہیں کہ سرمارس ہیلٹ کے راج میں کیا ہو رہا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مسٹر پنت اصحاب رسول اللہ پر تبرا پڑھنے والوں کو روکتے اور قید کرتے تھے۔ اور مسٹر مارس اصحاب رسول اللہ کی تعریف کرنے والوں کو روکتے اور قید کرتے ہیں۔ اُس زمانے میں بعض عورتوں کے بھی خطوط اخبارات میں شائع ہوا کرتے تھے۔ لیکن آج مردوں کو تو سانپ سونگھ ہی گیا وہ معزز خواتین بھی خاموش ہیں۔ نہ اب

مسلمانوں میں تفریق کا خطرہ ہے نہ اتحاد اسلامی کے فنا ہونے کا اندیشہ ہے۔

گورنمنٹ سے سمجھوتہ کی ضرورت

اگرچہ لکھنؤ کی موقر جماعتیں سول نافرمانی کا فیصلہ کر چکی ہیں۔ اور مجلس احرار اور جمعیۃ علماء اودھ نے سول نافرمانی کا حکم دیدیا ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ موجودہ حالات میں جبکہ ایک طرف ملک کی بہت بڑی جماعت ستیاگرہ کر رہی ہے۔ ہم کو کوئی اقدام ایسا نہیں کرنا چاہیے جو گورنمنٹ کی پریشانیوں میں اضافہ کا موجب ہو۔ اگرچہ سول نافرمانی کا فیصلہ کیا جا چکا ہے اور جہاں تک مجھے معلوم ہے گورنمنٹ کی انتہائی بے نیازی اور استغنا کے بعد مجبور ہو کر سنیوں نے ایسا کیا ہے۔ لیکن سول نافرمانی کے زمانے میں بھی سمجھوتہ کی سعی کچھ نامناسب نہیں ہے۔ صوبہ کے ذی اثر حضرات کو اپنا اثر استعمال کرنا چاہیے اور سر ہارس ہیلٹ کو سمجھانا چاہیے کہ سنیوں کو گرفتار کر کے انھوں نے جو غلطی کی ہے اُس کی اُن کو بہت جلد تلافی کرنی چاہیے۔ صوبہ یوپی کے علاوہ دوسرے صوبہ کے حضرات بھی اس کام میں سعی کریں۔ اور باعزت سمجھوتہ کا کوئی حل تلاش کریں۔ میں سمجھتا ہوں اگر ملک کے ذی اثر حضرات نے اپنے اثر و رسوخ کو استعمال کیا تو کوئی وجہ نہیں ہے جو باہمی سمجھوتہ نہ ہو جائے۔ بہرحال سنی حضرات کو اتنی بات سمجھ لینی چاہیئے کہ جو چیز قربانیاں دیکر حاصل کی جاتی ہے اس کی حفاظت بھی قربانیوں ہی سے ہوتی ہے۔ اصحاب رسول اللہ نے ہر قسم کی تکالیف اور مصائب برداشت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کا تحفظ کیا تھا۔ آج خود انہی اصحاب کی عزت و ناموس کا معاملہ ہے۔ اس معاملہ میں اولوالعزمی اور ثبات قدم کی ضرورت ہے۔ اگر اس زمانے میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن سب و شتم کا حق حاصل کر سکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت کرنے والے اُن کی مدح و ثنا کا حق حاصل نہ کر لیں۔

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطرہا است بجاں	شرط اوّل قدم آنست کہ مجنوں باشی
کیف الوصول الی سعاد ودونہا	قلل الجبال ودونہن حتوف

خاتمۂ کلام

میرے محترم دوستو! اور بزرگو! میں نے تمہارا بہت سا وقت لے لیا مجھے معاف کرنا حالات بہت نازک ہیں۔ ایک عرصہ کے بعد ابتلا اور امتحان کا دور شروع ہو رہا ہے۔ چند ہی دنوں میں جدید کانسٹی ٹیوشن کی بحث شروع ہونے والی ہے۔ آپ کی جماعت جو حاملین مذہب کی جماعت ہے اُسکو چاہیے کہ وہ جدید کانسٹی ٹیوشن میں نہایت قوت کے ساتھ مذہبی حقوق کی حفاظت کا خیال رکھے۔ ملک میں خواہ کتنے ہی انقلاب رونما ہوں لیکن مسلمانوں کو بہرحال مسلمان بنکر اس ملک میں رہنا اور بسنا ہے۔ قیامت کے دن ممکن ہے کہ دوسروں کا عذر کسی حد تک مسموع ہو لیکن تمہاری معذرت ناقابل مسموع ہو گی شریعت غرّا اور ملت بیضا کے حقیقی محافظ تم ہی ہو۔ دین کی حفاظت آپ ہی

حضرات سے وابستہ ہے۔ آپ یہ جانتے ہیں کہ آج کل اُسی جماعت کی قوت تسلیم کی جاتی ہے جس سے وابستہ ہونیوالوں
کی تعداد زیادہ ہو۔ جمہوری دور میں اسی کو تفوق حاصل ہوتا ہے جس کے ساتھ ووٹ کی طاقت ہو۔ جو جماعت اپنے ساتھ
ووٹ کی طاقت نہیں رکھتی اس کا کوئی وزن نہیں ہے۔ آج حق و باطل کی پہچان قلت و کثرت میں سمٹ کر آگئی ہو
یہ چیز خواہ کتنی ہی غلط ہو یا صحیح لیکن آجکل کا دستور یہی ہے اور ہم اسی دستور پر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس دستور
کی تبدیلی ہمارے بس میں نہیں ہے۔ جمہوری آئین ملک کی تمام قوموں کا مشترکہ آئین ہوتا ہے۔ اگر آپ چاہیں کہ ملک
کی دوسری قوموں کو نظر انداز کر دیں تو یہ ناممکن ہے کسی بنیاد پر آپ کوئی پارٹی بنائیں لیکن وہ پارٹی مشترک ہوگی۔
خواہ اس کا نام یونسٹ پارٹی رکھیں۔ یا پرجا پارٹی رکھیں یا اس کا نام ایگریکلچر رکھیں یا اس کو کانگریس کہیں۔ کوئی
پارٹی ایسی نہیں ہو سکتی جو فقط مسلمانوں کی یا فقط ہندوؤں کی ہو اس لیے ملک کی دوسری قوموں کے ساتھ باہمی
اشتراک اور رواداری کے ساتھ زندگی بسر کیجیے اور جمہوری اصول کو ذہن نشین کرنے کے بعد قدم اٹھائیے۔
جمعیتہ علماء ہند کے قواعد میں اسی ضرورت کے پیش نظر ترمیم کی گئی ہے آپ اپنی جماعت کو بڑھائیے صوبہ یوپی کا
کوئی مسلمان ایسا نہ ہو جو آپ کی جماعت کا رکن نہ بنے۔ ہر مسلمان کو ممبر بنانے کی کوشش کیجیے اور جمعیتہ علماء کی شاخیں
صوبہ کے ہر گاؤں اور قریہ میں پھیلا دیجیے۔

ڈھاکہ کا فساد

آخر میں میں نہایت افسوس کے ساتھ ڈھاکہ کے فساد پر اپنے دلی رنج کا اظہار کرتا ہوں۔ فرقہ وارانہ فساد
میں ہر وہ شخص قابل ملامت ہوتا ہے جو ظلم کی ابتدا کرے یا انتقام لینے میں تعدی کرے فمن اعتدی علیکم فاعتدوا
علیہ بمثل ما اعتدی علیکم۔ جس شخص نے تم پر زیادتی کی ہے اس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی اس نے کی تھی۔
ڈھاکہ سے جو تفصیلات موصول ہو رہی ہیں وہ انتہائی درجہ افسوسناک ہیں۔ مجھے امید ہے کہ فضل حق کی منسٹری
اس فساد کو روکنے میں کامیاب ہو جائے گی۔ اور مظلوموں کے ساتھ انصاف کیا جائے گا۔

اللھم احسن عاقبتنا فی الامور کلھا واجرنا من خزی الدنیا وعذاب الآخرۃ

(مطبوعہ سعید پریس بجنور)